بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ



نضر الله امرأً سمع منا
حديثاً فحفظه حتى يبلغه

ماهنامه

الحدیث

حضرو



شمارہ نمبر 45

محرم ۱۴۲۹ھ فروری ۲۰۰۸ء

- بے گناہ کا قتل حرام ہے
- قبر میں سوال، جواب اور منکر نکیر
- میت کے سلسلے میں چند بدعات اور ان کا رد
- آلِ دیوبند اپنے خود ساختہ اصولوں کی زد میں!
- مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ

مدیر

حافظ زبیر علی زئی



مکتبۃ الحدیث

حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | محرم ۱۴۲۹ھ فروری ۲۰۰۸ء | شمارہ: 2

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
0301-6603296

محمد صفدر حضروی

ابوجابر عبداللہ دامانوی

ابوخالد شاکر

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے
سالانہ : 150 روپے
علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

برائے رابطہ

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

کلمۃ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

بے گناہ کا قتل حرام ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ جس نے کسی (بے گناہ) مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس (قاتل) پر اللہ کا غضب ہوا، اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء:۹۳)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی یہ نشانی بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ اس جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ دیکھئے سورۃ الفرقان (۶۸)

رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط﴾ کہ جس نے بدلۂ قتل یا زمین میں فساد کے بغیر کسی جان کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ (المائدہ:۳۲)

نبی کریم ﷺ نے ہلاک و تباہ کرنے والے سات کبیرہ گناہوں میں ناحق قتل کو بھی شمار کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۷۶۶) اور صحیح مسلم (۸۹)

بلکہ یہ اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں) میں سے ہے۔ (دیکھئے صحیح البخاری:۶۶۷۵)

ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (صحیح مسلم:۲۵۶۴، دارالسلام:۶۵۴۱)

جب دو مسلمان ایک دوسرے کو (ناحق) قتل کرنے کے لئے آمنے سامنے آجائیں تو رسول اللہ ﷺ نے قاتل اور مقتول دونوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ پوچھا گیا کہ مقتول کیوں جہنمی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ((إِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ.))

وہ اپنے ساتھی (مسلمان بھائی) کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۱، صحیح مسلم:۲۸۸۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَزَوالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ .))

کسی مسلمان کے (بے گناہ) قتل سے اللہ کے نزدیک ساری دنیا کا خاتمہ اور تباہی کمتر ہے۔

(سنن الترمذی: ۱۳۹۵، وسندہ حسن، عطاء العامری وثقہ ابن حبان والحاکم ۱۵۱/۴، ۱۵۲، والذہبی فھو حسن الحدیث)

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: مقتول قیامت کے دن قاتل کو پیشانی اور سر سے پکڑے ہوئے (اللہ تعالیٰ کے پاس) آئے گا اور اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، وہ کہے گا: اے میرے رب! اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ حتیٰ کہ وہ اسے پکڑے ہوئے عرش کے قریب لے جائے گا۔

(سنن الترمذی: ۳۰۲۹ وقال: ''ھذا حدیث حسن'' وسندہ صحیح، اضواء المصابیح: ۳۴۶۵)

اسلام ایسا دینِ فطرت ہے کہ ذِمی کافروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتا ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ((مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ .)) جس نے کسی معاہدہ کرنے والے (ذمی کافر یا وہ کافر جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے) کو قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ (صحیح بخاری: ۳۱۶۶)

نبی کریم رحمت للعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: ((كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلُ يَقْتُلُ الْمُؤْمِنَ مُتَعَمِّدًا أَوِ الرَّجُلُ يَمُوْتُ كَافِرًا .)) قریب ہے کہ اللہ ہر گناہ معاف کر دے سوائے اس آدمی کے جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا یا وہ آدمی جو کافر مرتا ہے۔ (سنن النسائی: ۳۹۸۹ وسندہ صحیح، عمدۃ المساعی فی تحقیق سنن النسائی، قلمی ج ۲ ص ۳۹۸)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ .)) مسلمان کو گالی دینا فسق (کبیرہ گناہ) ہے اور اس سے قتل وقتال کرنا کفر ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۸، صحیح مسلم: ۶۴)

پیارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ .)) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں سے دور رہے۔ (صحیح بخاری: ۱۰، صحیح مسلم: ۴۰)

کتنے افسوس کا مقام ہے! کہ قرآن وحدیث کے ان دلائل کے باوجود اسلام کا دعویٰ رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کو ناحق قتل کر رہے ہیں۔ کیا انھیں اللہ کی پکڑ کا کوئی ڈر نہیں ہے؟

اضواء المصابیح

حافظ زبیر علی زئی

قبر میں سوال، جواب اور منکر نکیر

الفصل الثانی

۱۳۰) عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :((إذا قُبِر الميّتُ أتاه ملكان أسودان أزرقان يقال لأحدهما :المنكر وللآخر :النَّكير. فيقولان :ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ فيقول :هو عبدالله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمدًا عبده و رسوله . فيقولان :قد كنا نعلم أنك تقول هذا ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعًا في سبعين. ثم ينوَّر له فيه ثم يقال له :نَم. فيقول : أرجع إلى أهلي فأخبرهم . فيقولان :نَمْ كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك . وإن كان منافقًا قال : سمعت الناس يقولون قولاً فقلت مثله، لا أدري. فيقولان :قد كنا نعلم أنك تقول ذلك فيقال للأرض :التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه فلايزال فيها معذبًا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك .)) رواه الترمذي .

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالے رنگ کے نیلی آنکھوں والے دو (ڈراؤنے) فرشتے آجاتے ہیں، ایک کو منکر کہا جاتا ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ پھر یہ دونوں کہتے ہیں: تُو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں علم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر لمبائی چوڑائی میں ستر ستر ہاتھ کھول دی جاتی ہے۔ پھر اس کی قبر منور (روشن) کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: سو جا، تو وہ کہتا ہے: میں اپنے گھر والوں کے پاس جا کر انھیں خبر دینا

چاہتا ہوں (کہ میں کامیاب ہوگیا ہوں۔)

وہ دونوں کہتے ہیں: اس دلہن کی طرح سو جا جسے وہی شخص جگاتا ہے جو سب سے زیادہ اُسے محبوب ہوتا ہے، حتیٰ کہ اللہ اُسے اُس کے اِس ٹھکانے سے دوبارہ زندہ کرے گا۔

اور (مرنے والا) اگر منافق ہو تو کہتا ہے: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی بات کہہ دی، مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ دونوں (فرشتے) کہتے ہیں: ہمیں علم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر زمین سے یہ کہا جاتا ہے: اسے لپیٹ کر دبا دے، زمین اسے دباتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسے ہمیشہ اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اُسے اُس کے اِس ٹھکانے سے دوبارہ زندہ کرے گا۔

اسے ترمذی (۱۰۷۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔

اسے ترمذی نے ''حسن غریب'' اور ابن حبان (الاحسان: ۳۱۰۷) نے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب اثبات عذاب القبر (ح ۵۴، ۵۵ بتحقیقی) میں بھی عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی کی سند سے موجود ہے اور عبدالرحمٰن المدنی بقولِ راجح حسن الحدیث ہیں۔

فقہ الحدیث:

① مرنے والے سے قبر میں منکر نکیر دو فرشتوں کا سوال کرنا برحق ہے۔

② سوال و جواب کے وقت ان فرشتوں کو اس لئے ڈراؤنی شکل میں بھیجا جاتا ہے تاکہ میت کو اپنی گزشتہ زندگی کا احساس اور اللہ کا خوف ہو۔ مومن اللہ کے فضل سے محفوظ رہتا ہے۔

③ ہذا الرجل سے حاضر نہیں بلکہ غائب مراد ہے کیونکہ مومن کہتا ہے: ''هُوَ'' وہ.
یہ صیغۂ غائب ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث: ۴۳ص ۴

④ میت قبر میں کیا جواب دے گی؟ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ اپنے ان دونوں فرشتوں کو پہلے ہی کر دیتا ہے اور فرشتے وہی کرتے ہیں جن کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ فرشتے اپنی مرضی سے نہ کچھ کہتے ہیں اور نہ کچھ کرتے ہیں لہٰذا ان کا یہ کہنا ''ہمیں علم تھا کہ تم یہی بات کہو گے''

اللہ کی وحی سے ہے۔ اللہ ہی زمین وآسمان کا کلی غیب یعنی سب جانتا ہے۔

⑤ عذابِ قبر اور قبر کا کھلنا، تنگ ہونا برحق ہے اگرچہ اس کی صحیح کیفیت اور مشاہدے کا علم اہلِ دنیا کو نہیں ہے۔

⑥ نیک مومن کو قبر میں سُلا دیا جاتا ہے لہٰذا اب اس کا اہلِ دنیا اور دنیا سے کوئی رابطہ و تعلق باقی نہیں ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ سوئی ہوئی یہ میت قبر سے باہر کی دنیا کو دیکھتی اور لوگوں کی آوازیں سنتی ہے، غلط اور مردود ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے موت دے کر ایک سو سال مارے رکھا تھا جب اسے زندہ کیا تو اسے یہ پتا نہیں تھا کہ وہ سو سال مرا رہا بلکہ وہ کہنے لگا: میں (عالمِ موت میں) ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں۔ (دیکھئے سورۃ البقرۃ:۲۵۹)

⑦ دلہن کی طرح سو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قبر والے نیک انسان کی ہر سال شادی ہوتی ہے لہٰذا ہر سال اس کا عرس منانا چاہئے۔ اہلِ بدعت اپنے بعض مزعومہ اولیاء کی قبروں پر ہر سال جو عرس مناتے ہیں اس کا کوئی ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ عمل بدعت ہے جس پر ادلۂ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

⑧ بغیر تحقیق کے عام لوگوں کی سُنی سنائی اور غیر مدلل باتوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۱) وعن البراء بن عازب عن رسول الله ﷺ قال :((يأتيه ملكان فيُجلِسانه فيقولان له :من ربك ؟ فيقول :ربي الله . فيقولان له :ما دينك ؟ فيقول: ديني الإسلام . فيقولان :ما هذا الرجل الذي بعث فيكم ؟ فيقول : هو رسول الله . فيقولان له :وما يدريك ؟ فيقول :قرأت كتاب الله فآمنتُ به و صدقتُ. فذلك قوله :﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ الآية . قال: فينادي مُنادٍ من السماء :أن صدق عبدي فأفرشوه من الجنة وألبسوه من الجنة وافتحوا له باباً إلى الجنة ويفتح . قال : فيأتيه من رَوحها و طيبها ويفسح له فيها مد بصره . وأما الكافر فذكر موته قال :و يعاد روحه في جسده و يأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان :من ربك ؟ فيقول:هاه هاه

لاأدري!فيقولان له :ما دينك ؟ فيقول :ها ه هاه لا أدري !فيقولان :ما هذا الرجل الذي بُعث فيكم ؟ فيقول :هاه هاه لا أدري !فينادي منادٍ من السماء:أن كذب فأفرشوه من النار وألبسوه من النار وافتحوا له باباً إلى النار. قال :فيأتيه من حرها وسمومها. قال :و يضيق عليه قبره حتى يختلف فيه أضلاعه ثم يُقيض له أعمى أصم معه مرزبة من حديد لو ضرب بها جبل لصار ترابًا/ فيضربه بها ضربةً يسمعها ما بين المشرق والمغرب إلا الثقلين فيصير ترابًا، ثم يعاد فيه الروح)) رواه أحمد و أبو داود.

(سیدنا) براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے (ایک طویل) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (میت) کے پاس دو فرشتے آ کر اُسے بٹھاتے ہیں پھر کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ دونوں اُس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں: یہ آدمی کیا ہے جو تمھارے درمیان بھیجا گیا؟ تو وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: تجھے کیسے پتا چلا؟ تو وہ کہتا ہے: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو اس پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کی، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ایمان والوں کو اللہ (دنیا اور آخرت میں) قولِ ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔ الآیہ (ابراہیم:۲۷)

پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے نیچے جنت کا بچھونا بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو۔ پھر دروازہ کھل جاتا ہے تو جنت کی پیاری ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آتی ہیں۔ تاحدِّ نظر اس کی قبر کھول دی جاتی ہے۔

رہا کافر تو انھوں نے اس کی موت کا حال بیان کیا، فرمایا: اور اس کی رُوح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آ کر اُسے بٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتا نہیں ہے۔ پھر وہ اس سے کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟

تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتا نہیں ہے۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں: یہ آدمی کیا ہے جو تمھارے درمیان بھیجا گیا؟ تو وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتا نہیں ہے۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے: اس نے جھوٹ کہا، اس کے نیچے آگ کا بچھونا ڈال دو، اسے جہنمی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پھر اس کے پاس جہنم کی زہریلی ہوائیں اور آگ کی گرمی آتی ہے۔ اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں پھر اس پر اندھا بہرہ (فرشتہ) مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے۔ اگر اس ہتھوڑے کو (پتھر کے) پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔/ پھر وہ اسے ہتھوڑے کی ایک ضرب مارتا ہے جسے انسانوں اور جنوں کے سوا مشرق ومغرب کی ہر چیز سنتی ہے، پھر وہ مٹی بن جاتا ہے، پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

اسے احمد (۴/ ۲۸۷، ۲۸۸ ح ۱۸۷۳۳) اور ابوداود (۴۷۵۳، ۳۲۱۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث (آخری جملے/ کے بعد کو چھوڑ کر) حسن ہے۔

اسے احمد و ابو داود کے علاوہ نسائی (۲۰۰۳) ابن ماجہ (۱۵۴۸، ۱۵۴۹) ہناد بن السری (کتاب الزہد ا/ ۲۰۵۔ ۲۰۷ ح ۳۳۹) اور بیہقی (اثبات عذاب القبر ح ۲۰ بتحقیقی) وغیرہم نے مختصراً ومطولاً روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا: "**ھٰذا حدیث صحیح الإسناد**" یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ (شعب الایمان ا/ ۳۵۷ ح ۳۹۵)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث حضرو: ۱۴ ص ۲۲، ۲۳

اس حدیث کے راویوں کا مختصر اور جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

① سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔

② ابو عمر زاذان الکندی الکوفی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔ دیکھئے الحدیث: ۱۴ ص ۲۴۔ ۲۶، لہٰذا ان پر جرح مردود ہے اور وہ صحیح الحدیث ہیں۔

③ منہال بن عمرو جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں لہٰذا ان کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ دیکھئے الحدیث: ۱۴ ص ۲۹

④ سلیمان بن مہران الاعمش ثقہ مدلس راوی ہیں اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۴۷۵۴)

دوسرے یہ کہ سلیمان الاعمش اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کی متابعت موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث حسن لذاتہ ہے۔ اسے قرطبی، ابن قیم، ابن تیمیہ اور منذری وغیرہم نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ (حاشیہ اثبات عذاب القبر للبیہقی ص۲۰ یسر اللہ لنا طبعہ)

لہٰذا بعض منکرینِ حدیث کا اس حدیث پر جرح کرنا یا اسے قرآنِ مجید کے خلاف قرار دے کر رد کر دینا مردود ہے۔

فقہ الحدیث:

① عذابِ قبر اور ثوابِ قبر دونوں برحق ہیں۔

② اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔

③ قبر میں اخروی و برزخی طور پر سوال وجواب کے وقت اعادۂ روح برحق ہے اور قرآنِ مجید کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن جس اعادۂ روح کی نفی کرتا ہے وہ دنیاوی اعادہ ہے اور حدیث جس کا اثبات کرتی ہے اس سے مراد برزخی اعادہ ہے۔ دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ (ص۳۹۹، المکتب الاسلامی، طبعہ ثانیہ ۱۹۸۴ء)

④ شیخ ابن ابی العز الحنفی فرماتے ہیں: '' وذهب إلٰى موجب هذا الحديث جميع أهل السنة والحديث '' تمام اہلِ سنت اہلِ حدیث اس حدیث (یعنی حدیث براء رضی اللہ عنہ) کے قائل ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ ص۳۹۸)

⑤ تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ نجات صرف اسی میں ہے کہ آدمی قرآن وحدیث واجماع پر سلف وصالحین کے فہم کی روشنی میں عمل کرے، اسی منہج پر عقیدے کی بنیاد رکھے اور ساری زندگی تحقیق وعمل میں گزار دے۔

⑥ عذابِ قبر اسی دنیاوی قبر میں ہوتا ہے جسے زمین پر اردگرد کے جانور سنتے ہیں۔

⑦ اس روایت میں جو آیا ہے کہ '' پھر وہ اسے ہتھوڑے کی ایک ضرب مارتا ہے جسے

انسانوں اور جنوں کے سوا مشرق و مغرب کی ہر چیز سنتی ہے پھر وہ مٹی بن جاتا ہے، پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔'' اس خاص متن میں اعمش کے سماع کی تصریح نہیں ملی لہٰذا یہ متن مشکوک ہے اور باقی ساری حدیث حسن ہے۔

۱۳۲) وعن عثمان رضي اللّٰه عنه أنه كان إذا وقف على قبر بكى حتى يبل لحيته فقيل له :تذكر الجنة و النار فلا تبكي و تبكي من هذا فقال :إن رسول اللّٰه ﷺ قال :((إن القبر أول منزل من منازل الآخرة فإن نجا منه فما بعده أيسر منه و إن لم ينج منه فما بعده أشد منه .)) قال : وقال رسول اللّٰه ﷺ :((ما رأيت منظرًا قط إلا و القبر أفظع منه .))

رواه الترمذي و ابن ماجه. وقال الترمذي :هذا حديث غريب .

(سیدنا) عثمان (بن عفان، خلیفۂ ثالث رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب وہ (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی بھیگ جاتی۔ پوچھا گیا: آپ جنت اور جہنم کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس (قبر) سے روتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخرت کی منزلوں میں سے یقیناً قبر پہلی منزل ہے، پس اگر اس میں بچ گیا تو بعد میں آسانی ہی آسانی ہے۔ اگر اس میں نہ بچ سکا تو بعد میں سختی ہی سختی ہے۔

انھوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے قبر سے زیادہ خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا۔ اسے ترمذی (۲۳۰۸) اور ابن ماجہ (۴۲۶۷) نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث (حسن) غریب ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے ترمذی نے حسن غریب اور ذہبی نے تلخیص المستدرک (۳۷۱/۱) میں صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابوسعید ہانئ البربری (مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ) صدوق راوی ہیں۔

(تقریب التہذیب:۷۲۶۶)

دوسرے راوی عبداللہ بن بحیر بن ریسان ابووائل القاص الصنعانی جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (۱۰/۳۳) وغیرہ اور باقی سند صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

① آخرت کی یاد کے لئے قبروں کی زیارت کرنا مسنون ہے۔
② قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔
③ موت کو یاد کر کے اللہ کے خوف سے رونا خلفائے راشدین کی سنت ہے۔
④ تکبر سے ہمیشہ دور رہ کر ساری زندگی عاجزی کے ساتھ گزارنی چاہئے۔
⑤ اہلِ ایمان کا دل ہر وقت خوف اور امید کے درمیان رہتا ہے۔

۱۳۳) وعنه قال: كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: ((استغفروا لأخيكم ثم سلوا له بالتثبيت فإنه الآن يُسأل .))

رواه أبو داود.

اور انھی (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کھڑے ہو کر فرماتے: اپنے بھائی کے لئے استغفار (کی دعا) کرو، پھر اس کے لئے (سوال جواب کے وقت) ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کئے جائیں گے۔ اسے ابوداود (۳۲۲۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے (المستدرک وتلخیص المستدرک ۱/۳۷۰ میں) صحیح کہا ہے۔

اس روایت کی سند پر حدیثِ سابق (۱۳۲) میں بحث گزر چکی ہے۔

فقہ الحدیث:

① میت کے دفن کے بعد قبر پر انفرادی واجتماعی دونوں طرح دعا کرنا صحیح ہے۔
② قبر میں سوال جواب برحق ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

میت کے سلسلے میں چند بدعات اوران کا رد

سوال: بعض لوگ میت کو غسل دینے کے بعد یا میت کو گھر سے جنازہ گاہ (جہاں میت کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے) کی طرف لے جانے کے بعد حلوہ تقسیم کرتے ہیں جسے قبر کا توشہ کہا جاتا ہے۔اس (حلوے) توشے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دلیل سے بیان کریں۔

(شیر بہادر، برمنگھم برطانیہ)

الجواب: اس (حلوے) توشے کا ثبوت قرآن وحدیث میں قطعاً نہیں ہے اور نہ سلف صالحین سے یہ عمل ثابت ہے لہٰذا یہ بدعت ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .)) اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(صحیح مسلم:۸۶۷/ ۲۰۰۵)

مشہور متبع سنت صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ إِنْ رَآهَا النَّاسُ حَسَنًا .'' ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے حسن (اچھا ہی) سمجھتے ہوں۔

(السنۃ للمروزی:۸۲ وسندہ صحیح)

میت کے گھر والوں پر غم و پریشانی آئی ہوئی ہے اور انھیں اس رسم پر مجبور کیا جارہا ہے کہ لوگوں کا منہ میٹھا کرنے کے لئے (حلوہ) توشہ پکا کر کھلائیں۔حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اردگرد کے لوگ کھانا پکا کر میت کے گھر والوں کو کھلاتے۔ جب سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

((اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا ، فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ.))

آلِ جعفر (جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں) کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان پر ایسی بات آگئی ہے جس نے انھیں مشغول کردیا ہے۔

(سنن ابی داود:۳۱۳۲،مسند الحمیدی بتحقیقی:۵۳۸ وسندہ حسن وصححہ الترمذی:۹۹۸ والحاکم ۱/ ۳۷۲ والذہبی)

محدث شہیر شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے شیخ محمد البرکوی رحمہ اللہ کی کتاب جلاء القلوب (۷۷) سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اہلِ میت کی طرف سے کھانا کھانے کی دعوت قبول کرنا بدعت ہے۔ دیکھئے احکام الجنائز و بدعہا (ص ۲۵۶ فقرہ: ۱۱۳)

دوحہ قطر کے قاضی شیخ احمد بن حجر البوطامی فرماتے ہیں: ''میت کے گھر والوں اور متعلقین کا تعزیت وسوگ کے لئے مجلس منعقد کرنا اور تعزیت کے لئے آنے والوں کے واسطے تین دنوں تک کھانا تیار کرنا بدعت ہے۔ بعض لوگ یہ مبتدعانہ کام ایک ہفتہ تک کرتے ہیں، اور یہ فضول خرچی سے کام لیتے ہیں، مثلاً بہت سے جانور ذبح کرتے ہیں. اور انواع و اقسام کے کھانے بناتے ہیں اور لوگ مختلف اطراف و جوانب سے آتے اور کھاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میت کے ورثاء چھوٹے چھوٹے، یتیم بچے ہوتے ہیں پھر بھی لوگ ان کے اموال کو اس کام میں خرچ کر ڈالتے ہیں، اس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، کیونکہ یہ یتیموں کا مال زور وزبردستی اور جور وظلم کے ساتھ کھا جانے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ﴾ جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھا جاتے ہیں بے شک وہ لوگ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کھا رہے ہیں۔ (النساء: ۱۰)

یہاں تک کہ وہ متاخرین بھی جو بہت سی بدعات کو حسنہ قرار دیئے ہوئے ہیں اس فعل کو ''بدعتِ ضالہ'' کہتے ہیں کیونکہ اس میں سنت کی مخالفت پائی جاتی ہے، اس لئے کہ سنت یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے ان کے پڑوسی لوگ کھانا تیار کریں، اور کھلائیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا .))... جعفر (جو جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے) کی اولاد اور گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو۔ (عام کتب حدیث)

دوسری بات یہ ہے کہ ایسا کرنا اسراف و فضول خرچی ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اس میں باطل و ناحق (طریقے سے) لوگوں کا مال کھالیا جاتا ہے کیونکہ میت کے ورثاء کبھی کبھی فقراء

ہوتے ہیں یا یتیم بچے ہوتے ہیں کبھی کبھی یہ لوگ قرض لے کر کھلانے پلانے والا یہ قبیح و شنیع کام دوسرے لوگوں کے ڈر سے کرتے ہیں۔'' (بدعات اوران کا شرعی پوسٹ مارٹم ص ۶۷۵۔۶۷۶)

خلاصہ یہ کہ مسئولہ بالا عمل جائز نہیں بلکہ بدعت سیئہ ہے۔

تنبیہ: فتاویٰ سمرقندی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے مومنو! قرآن کو مُردوں کی نجات کا وسیلہ بناؤ تو حلقہ بنا لو اور کہو: اے اللہ! اس میت کو قرآنِ مجید کی حرمت سے بخش دے۔ الخ

اس روایت کی سند مردود ہے۔ اس میں عباس بن سفیان راوی نامعلوم ہے۔ اگر اس سے کتاب الثقات لابن حبان والا مجہول الحال راوی مراد لیا جائے تو ابو اللیث سمرقندی کی اس سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور اگر یہ کوئی دوسرا مجہول شخص ہے تو اس کی اسماعیل بن ابراہیم عرف ابن علیہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ (۲۶/نومبر ۲۰۰۷ء)

سوال: بعض لوگ جب میت کو جنازہ گاہ لے جاتے ہیں تو ساتھ ہی گُڑ چینی یا صابون وغیرہ اور کچھ رقم بھی لے جاتے ہیں۔ جنازہ گاہ میں جنازے سے پہلے یا بعد میں بعض لوگ (مولوی حضرات وغیرہ) ایک دائرہ بنا کر اس سامان کے اردگرد بیٹھ جاتے ہیں۔ اس سامان پر قرآن مجید رکھ کر یہ لوگ باری باری اسے ہاتھ لگاتے ہیں اور ایک دوسرے کو بخشتے رہتے ہیں، اسے حیلۂ اسقاط کہا جاتا ہے۔

اس عمل کے بعد یہ لوگ یہ رقم اور سامان وغیرہ آپس میں یا لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میت بخشی گئی ہے یا اس کا ثواب بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ اس عمل حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (شیر بہادر غورغشتی ۔ برمنگھم انگلینڈ)

الجواب: اس مسئولہ طریقے حیلۂ اسقاط کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے اور نہ سلف صالحین کے آثار سے یہ طریقہ ثابت ہے لہٰذا یہ عمل بالکل بدعت ہے جسے بعض متاخر تقلیدی علماء نے گھڑ لیا ہے۔ ائمۂ اربعہ اور ان کے شاگردوں سے بھی یہ حیلہ ثابت نہیں ہے۔ یہ سمجھنا کہ اس حیلے سے میت کے ذمہ نمازیں وغیرہ معاف ہو جائیں گی بلا دلیل ہے۔

میت کے ذمہ اگر رمضان کے کچھ روزے باقی ہوں تو اس کی طرف سے فقراء ومساکین کو بطورِ فدیہ کھانا کھلانا چاہئے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لا یصلي أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد ولکن یطعم عنه مکان کل یوم مدًا من حنطة'' کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے بلکہ اس شخص کی طرف سے (روزے کے) ہر دن کے بدلے میں ایک مُد (دو رطل) گندم کا کھانا کھلانا چاہئے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ۲/۱۷۵ ح ۲۹۱۸ وسندہ صحیح)

اگر کسی مرنے والے کے ذمے نذر کے روزے باقی ہوں تو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَیْهِ صِیَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِیُّهُ .)) جو شخص مرجائے اور اس پر (نذر کے) روزے ہوں تو اس کا ولی (وارث) اس کی طرف سے روزے رکھے۔

(صحیح بخاری: ۱۹۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۴۷)

بعض الناس میں حیلۂ اسقاط کے مروجہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً مال تو ایک ہزار روپے کا ہے مگر اسے ایک دوسرے کو بخشواتے اور پھیرے دلواتے ہوئے ہزاروں روپے کے ثواب تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے اپنی کتاب ''المنہاج الواضح / راہِ سنت'' میں بعض نام نہاد متاخر (تقلیدی) فقہاء سے اس حیلے کا جواز نقل کیا ہے۔ (دیکھئے ص ۲۷۸۔۲۸۳)

حالانکہ نہ تو اس حیلے کا کوئی ثبوت ہے اور نہ ان متاخر تقلیدی فقہاء کی ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہے۔

سوال: بعض لوگ نمازِ جنازہ سے پہلے یا بعد میں صفوں میں گڑ چینی تقسیم کرتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (شیر بہادر، بر منگھم)

الجواب: یہ عمل بالکل بدعت ہے۔ کتاب وسنت سے اس کا ثبوت کوئی نہیں ہے لہٰذا ایسے اعمال سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔

سوال: جس گھر میں کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے گھر والے کھانا تیار کر کے میت

کے دفن کے بعد عام لوگوں کو کھلاتے ہیں چاہے کھانے والے امیر ہوں یا غریب، اسے خیرات کہا جاتا ہے اور اُمید یہ رکھی جاتی ہے کہ اس طرح سے ثواب ملے گا، اس کھانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (شیر بہادر، برمنگھم)

الجواب: ایسا کھانا کھلانا بدعت ہے اور کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آلِ جعفر کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان پر ایسی بات (مصیبت) آگئی ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے۔ (سنن ابی داود: ۳۱۳۲، وسندہ حسن)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کے گھر والے دوسرے لوگوں کے لئے کھانا تیار نہیں کریں گے بلکہ لوگ ان کے لئے کھانا پکا کر بھیجیں گے تاکہ وہ ان ایامِ غم میں کھانا پکانے کی طرف سے بے فکر رہیں۔ رہا مسئلہ ایصالِ ثواب کا تو اس کا مروجہ دعوتِ طعام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ میت کی وفات کے تین دنوں کے بعد کسی وقت بھی میت کی طرف سے فقراء ومساکین میں ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔

سوال: بعض علاقوں میں ایسا ہوتا ہے کہ مرنے والے کے بعض رشتہ دار اور دوست اس کی وفات کے بعد چار پائیوں یا چٹائیوں وغیرہ پر تین یا چالیس دنوں کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر جو لوگ تعزیت کے لئے آتے ہیں تو ان میں سے ہر آدمی با آوازِ بلند یہ کہتا ہے کہ دعا کریں۔ پھر سب لوگ ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہیں۔

اس طرح کی مروجہ دعا، متعین جگہ پر اہلِ میت اور لوگوں کا اجتماع، تعزیت کے دنوں کا تعین اور مروجہ طریقۂ تعزیت کا ثبوت کیا ہے؟ قرآن وحدیث سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً.

(شیر بہادر، برمنگھم)

الجواب: چالیس دنوں تک تعزیت کے لئے بیٹھنا، ہر آدمی کا با آوازِ بلند دعا کا مطالبہ کرنا اور پھر سب لوگوں کا میت کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا یہ سب بدعت ہے جس کا کوئی ثبوت شریعتِ مطہرہ میں موجود نہیں ہے۔

سیدنا جعفر بن ابی طالب الطیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ جعفر کو تین دنوں کی مہلت دی پھر ان کے پاس جا کر فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔
(سنن ابی داود: ۴۱۹۲، وسندہ صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ، جعفر (طیار) اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، آپ کے چہرے پر غم کے آثار نظر آ رہے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۹۹، صحیح مسلم: ۹۳۵ وترقیم دارالسلام: ۲۱۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ میت کا (تعزیت والوں کے لئے) بیٹھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

یاد رہے کہ عورت اپنے خاوند کی وفات پر چار مہینے دس دن سوگ منائے گی۔

تعزیت کی ایک مشہور دعا درج ذیل ہے:

((إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى .)) بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو وہ لے لے اور اُسی کا ہے جو وہ عطا فرمائے اور ہر چیز اس کے پاس ایک خاص وقت تک کے لئے ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۸۴، واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۹۲۳ وترقیم دارالسلام: ۲۱۳۵)

میت پر تعزیت کے لئے لوگوں کا بار بار دعا کی درخواست کرنا اور اجتماعی طور پر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ثابت شدہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے) تین دن گزرنے کے بعد ہمارے پاس تشریف لائے تو ہمارے سر منڈوا دیئے پھر آپ نے میرا (ایک) ہاتھ پکڑ کر بلند کیا پھر فرمایا: اے اللہ! آلِ جعفر کی نگہبانی فرما اور عبداللہ بن جعفر کے لئے برکت نازل فرما۔ (مسند احمد ۱/۲۰۴ ح ۱۷۵۰، وسندہ صحیح)

اس حدیث سے مروجہ دعا کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ صرف پیار سے نابالغ بچے کے ایک ہاتھ کو آسمان کی طرف بلند کرنا ثابت ہے ورنہ صرف ایک ہاتھ سے دعا کرنا کیسا ہے؟

ایک غالی دیوبندی نعیم الدین نے ''رجل رشید'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

نعیم الدین نے اس کتاب میں اپنے دیوبندی علماء کے کئی فتوے نقل کئے ہیں جس میں تعزیت کی مروجہ دعا کو غیر ثابت اور غیر درست قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً دارالافتاء دارالعلوم کراچی کے محمد کمال الدین اور محمود اشرف صاحبان لکھتے ہیں: ''مروجہ طریقہ کے مطابق تعزیت کے لئے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا اور دعا کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے۔ اس لئے تعزیت کے لئے رسمی طور پر ہاتھ اٹھانا درست نہیں۔ کیونکہ تعزیت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میت اور اس کے اقارب کیلئے زبانی دعا کی جائے اور ان کو صبر دلایا جائے، البتہ انفرادی طور پر اگر میت کیلئے ہاتھ اٹھا کر مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کر لی جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔'' (رجل رشید ص ۱۷۱)

دیوبندی مفتی رشید احمد لدھیانوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔'' (احسن الفتاویٰ ج۴ ص ۲۴۵، رجل رشید ص ۱۷۳)

نعیم الدین دیوبندی اپنے قاری عبدالرشید دیوبندی سے نقل کرتے ہیں، وہ اپنے والد دیوبندی مفتی عبدالحمید سے کہ قاری لطف اللہ دیوبندی صاحب جب ایک حادثہ میں فوت ہوئے تو ایک دیوبندی عالم'' تعزیت کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے .... فقیر اللہ صاحب نے فوراً فرمایا کہ مولانا کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت غلطی ہوئی اور ہاتھ چھوڑ دیئے۔'' (دیکھئے رجل رشید ص ۱۶۹)

یہ فقیر اللہ دیوبندی صاحب قاری لطف اللہ دیوبندی کے والد اور دیوبندی مدرسے جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے بانی تھے جنھوں نے اپنے بیٹے کی موت پر مروجہ دعا سے اشارتاً منع کر دیا تھا۔

تعجب ہے کہ ہمارے علاقے میں دیوبندی حضرات بغیر کسی انکار اور جھجک کے اس مروجہ دعا پر عمل پیرا ہیں حالانکہ ان کے اپنے مفتیانِ کرام اس عمل کو بدعت و غیر ثابت قرار دے چکے ہیں۔ اسی طرح بعض الناس کے بعض نام نہاد علماء کو'' کیا یہ حدیث (و دلیل) سے ثابت ہے؟'' والے سوال سے سخت چڑ ہے۔ حالانکہ طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ دلیل پوچھنے والے سے ناراض نہ ہوں، اگر دلیل معلوم ہو تو بیان کر دیں یا پھر کہہ دیں کہ دلیل معلوم نہیں ہے۔

محمد صدیق رضا

امتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک

☆ عقائد کے متعلق فریقِ ثانی کا اصول

ان کی دلیل سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فریقِ ثانی کے نزدیک ''عقیدہ'' پر دلیل کس طرح قائم ہوتی ہے۔ ان کے ''مجدد الملت'' احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

''اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ آیات قطعیہ کے خلاف کوئی حدیث احاد بھی مسلّم نہیں ہو سکتی اگرچہ سنداً صحیح ہو تو مخالف قرآن عظیم کے خلاف پر جو دلیل پیش کرے اس پر چار باتوں کا لحاظ لازم: اول وہ آیت قطعی الدلالۃ یا ایسی ہی حدیث متواتر ہو...''

(ازاحۃ العیب بسیف الغیب بحوالہ فتاویٰ رضویہ ج۲۹ ص۵۱۳)

خان صاحب نے ایک اور مقام پر اپنا اصول یوں بیان کیا ہے:

''اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی، بے دلیل شرعی تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے، نہ احادیث احاد اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ درجے کی ہوں عمومِ قرآن کی تخصیص کر سکیں بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائیں گی، بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے۔'' (انباء المصطفےٰ ص۲۶، فتاویٰ رضویہ ۴۸۸/۲۹)

مزید لکھتے ہیں: ''کہ عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض غلط ہے۔''

(انباء المصطفےٰ ص۲۷، فتاویٰ رضویہ ۴۸۹/۲۹)

''احاد'' احد کی جمع اور واحد کے معنی میں ہے۔ خبرِ واحد لغتاً اس حدیث کو کہتے ہیں جسے ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو اور اصطلاحاً وہ حدیث جو متواتر کی شرائط پوری نہ کرتی ہو۔

متواتر: وہ حدیث جس کے راوی ہر دور میں اس کثرت سے ہوں کہ ان کا جھوٹ یا غلطی پر اتفاق عادتاً محال ہو۔

اب فریقِ ثانی کے ''مجدد الملت'' کے فرمودات پر غور کریں تو ان کا لب لباب یہ ہو گا کہ

قرآن کی آیاتِ مبارکہ کے مقابلے میں خبر واحد پیش کرنا محض غلط ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہونے والی کسی عمومی بات کو خاص نہیں کر سکتے۔ بلکہ یوں خاص کرنا ناجائز اور قرآن مجید کی آیت کو منسوخ کرنے کے مترادف ہے۔

اب دیکھیں فریقِ ثانی رسول اللہ ﷺ کی امت کے شرک سے محفوظ ہونے کے سلسلے میں کیا دلیل پیش کرتے ہیں:

فریق ثانی کی پہلی دلیل: فریق ثانی اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں قرآن مجید سے تو کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتا البتہ اس کے عوام وخواص اور واعظین وخطباء حضرات عموماً یہ بات کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''شیطان اب اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے گی'' پھر یوں استدلال ہوتا ہے کہ جب شیطان کی عبادت نہیں تو شرک کہاں سے ہوا؟ پس ثابت ہوا کہ اُمتِ مسلمہ کا کوئی فرد مشرک نہیں ہو سکتا۔ یہی حدیث مستدرک حاکم میں اس طرح سے ہے:

''عن ابن عباس أن رسول اللّٰہ ﷺ خطب الناس في حجة الوداع فقال :((قدیئس الشیطان بأن یعبد بأرضکم ولکنه رضي أن یطاع فیما سوی ذلك مما تحاقرون من أعمالکم ، فاحذروا یا أیها الناس!)) ''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یقیناً شیطان اب اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمھاری اس سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے، لیکن وہ اس پر مطمئن ہے کہ دیگر باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے گی جنھیں تم اپنے اعمال میں معمولی جانتے ہو، پس اے لوگو! بچو...'' الخ۔ (المستدرک للحاکم ۱/۹۳ ح ۳۱۸)

اس حدیث سے استدلال کئی وجہ سے درست نہیں ہے:

اولاً: اس کی سند میں ''اسماعیل بن ابی اویس'' غیر صحیحین میں متکلم فیہ راوی ہے۔

ثانیاً: یہ ''خبر واحد'' ہے اور عقائد کے سلسلے میں احناف اور خود فریقِ ثانی (بریلویوں) کے

ہاں خبرِ واحد سے استدلال نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے۔

ثالثاً: اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیں تب بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کا امتی مشرک نہیں ہو سکتا یا شرک کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اگر استدلال اس سے ہے کہ ''شیطان اس سے مایوس ہو چکا کہ سرزمین حجاز پر اس کی عبادت ہو'' تو یہ استدلال بھی درست نہیں، کیونکہ شرک صرف یہی نہیں کہ ''شیطان کی عبادت ہو'' اس کے علاوہ بھی شرک کی بہت سی اقسام ہیں جو قرآن وسنت ہی سے واضح ہوتی ہیں تو اس طرح اس روایت سے صرف ایک ہی قسم کی نفی ہوتی ہے نہ کہ تمام اقسام کی۔

رابعاً: اس روایت میں صرف ''سرزمین حجاز'' پر ''شیطان کی عبادت کیے جانے کی نفی ہے'' نہ کہ پورے کرّۂ ارض پر لہٰذا پوری امت کا شرک سے محفوظ ہونے کا استدلال اس روایت سے قطعاً درست نہیں ہے۔

خامساً: قرآن مجید کی واضح آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایمان لانے کے بعد بھی لوگ شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اب اس روایت کے ذریعے سے انکار درست نہیں ہے۔ بقولِ خان صاحب بریلوی: ''عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض غلط ہے۔''

فریق ثانی کی دوسری دلیل: دوسری دلیل ان حضرات کے ہاں عموماً یہ پیش کی جاتی ہے کہ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((ما أخاف علیکم أن تشرکوا بعدي ولکن أخاف علیکم أن تنافسوا فیها)) میں تمھارے متعلق اس بات سے خائف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۴۴)

اس حدیثِ صحیح سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی امتی شرک نہیں کر سکتا، اس حدیث سے نہ تو یہ بات ثابت ہوتی ہے اور نہ فریق ثانی کا اس سے استدلال ہی درست ٹھہرتا ہے۔

اولاً: اس لئے کہ یہ حدیث بھی ''خبر واحد'' ہے اور ان کا یہ اصول ہے کہ '' آیات قطعیہ کے خلاف کوئی حدیث احاد بھی مسلّم نہیں ہو سکتی اگرچہ سنداً صحیح ہو'' اور آیات قطعیہ سے بعض ایمان والوں کا شرک میں مبتلا ہو جانا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہم قرآنی دلائل میں قدرے تفصیل سے عرض کر چکے ہیں بالخصوص پہلی، تیسری، پانچویں اور ساتویں دلیل تو صراحت سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا ان کے اصول کے مطابق ان کا یہ حدیث پیش کرنا یقیناً غلط ہے۔

ثانیاً: اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے اور وہی اس کے مصداق ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وأن أصحابه لا يشركون بعده فكان كذلك'' یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے بعد شرک نہیں کریں گے پس اسی طرح ہوا۔ (فتح الباری ۶/ ۶۱۴)

یعنی اس حدیث کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے عام امت سے نہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی مخاطب فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں امت کا لفظ نہیں جبکہ دیگر صحیح احادیث میں صراحت کے ساتھ امت کے بہت سے لوگوں کا شرک میں مبتلا ہونا مذکور ہے اور ان احادیث میں '' امت'' کا لفظ بھی موجود ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ (إن شاء الله)

ثالثاً: اگر اس حدیث کو عام امت کے لئے مان لیا جائے تب بھی اس سے مراد امت کا ہر فرد نہیں ہوگا جیسا کہ شارحینِ حدیث نے لکھا ہے۔

① حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قوله (ما أخاف عليكم أن تشركوا) أي علىٰ مجموعكم لأن ذلك قد وقع من البعض أعاذنا الله تعالىٰ''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان (کہ مجھے تمھارے متعلق شرک کا ڈر نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ تم مجموعی طور پر شرک نہیں کرو گے، اس لئے کہ امت مسلمہ میں سے بعض افراد

کی جانب سے شرک کا وقوع ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

(فتح الباری ۲۱۱/۳)

② علامہ بدرالدین عینی (حنفی) رقمطراز ہیں:

''معناه على مجموعكم لأن ذلك قد وقع من البعض و العياذ بالله تعالىٰ''

اس کا معنی یہ ہے کہ پوری امت کا شرک میں مبتلا ہونے کا خوف نہیں اس لئے کہ بعض لوگوں سے شرک کا صدور ہوا ہے۔ اللہ کی پناہ (عمدۃ القاری ۱۵۷/۸)

③ ابوالعباس احمد بن محمد القسطلانی لکھتے ہیں:

''أي ما أخاف علىٰ جميعكم الإشراك بل علىٰ مجموعكم لأن ذلك قد وقع من بعض'' (ارشاد الساری ۴۴۰/۲)

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۸ ص ۷، ۸

فریقِ ثانی کی تیسری دلیل:

فریقِ ثانی کی طرف سے اپنے اس عقیدے کے ثبوت میں تیسری دلیل عموماً یہ پیش کی جاتی ہے کہ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن ما أتخوف عليكم رجل قرأ القرآن حتى رئيت بهجته عليه وكان ردئًا للإسلام ، غيّره إلىٰ ما شاء اللّٰه فانسلخ منه ، ونبذه ورآء ظهره ، و سعى علىٰ جاره بالسيف ورماه بالشرك)) قال قلت : يانبي اللّٰه! أيهما أولى بالشرك المرمي أوالرامي ؟ قال: ((بل الرامي.))

مجھے تم پر اس آدمی کا بڑا خوف ہے جو قرآن پڑھے گا، یہاں تک اس کی تازگی اس کے چہرے پر ظاہر ہوگی اور وہ (بظاہر) اسلام کی مدد کرنے والا ہوگا۔ جس قدر اللہ چاہے گا اُسے متغیر کر دے گا، پھر وہ دین اسلام سے نکل جائے گا اور دین کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دے گا، اپنے (مسلم) پڑوسی پر تلوار کے وار کرے گا اور اس پر شرک کی

تہمت لگائے گا، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! شرک کی تہمت لگانے والا شرک کے قریب ہوگا یا جس پر شرک کی تہمت لگائی جائے گی وہ شرک کے قریب ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا خود شرک کے قریب ہوگا۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان: ۸۱، حسنہ البزار [البحر الزخار] ۲۲۱/۷ ح ۲۷۹۳ وقال ابن کثیر فی تفسیرہ [۲۲۶/۳، الاعراف: ۱۷۵]: ''ھذا اسناد جید'' وحسنہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱۸۷/۱)

یہ روایت سنداً حسن ہے، اس حدیث سے بھی فریقِ ثانی اپنے مؤقف کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی مشرک نہیں ہوسکتا۔

عرض ہے! کہ اس حدیث سے بھی ان کا یہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا نہ اس سے یہ استدلال ہی درست ہے:

اولاً: یہ خبر واحد ہے، جو فریقِ ثانی کے اصول کے مطابق اثباتِ عقیدہ کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ اپنے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں یہ حدیث پیش بھی نہیں کرنی چاہئے۔

ثانیاً: اس حدیث میں مذکورہ آدمی کے بارے میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ شرک کی ''تہمت'' بہتان لگائے گا اور ''بہتان'' سے متعلق مسلمان عموماً اس بات سے آگاہ ہیں کہ یہ کسی مسلم پر ایسا عیب لگانا ہے جو اس میں نہ ہو اور یہ اسلام کا عام قانون ہے کہ اگر کوئی کسی مسلم کو کافر کہے گا یا اس پر لعنت کرے گا جب کہ وہ اس کا مستحق نہیں تو لعنت یا فتویٔ کفر اسی قائل کی طرف لوٹے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا قال الرجل لأخيه :يا كافر! فقد باء به أحدهما))

جو شخص اپنے (مسلم) بھائی کو کہے: اے کافر! تو یقیناً دونوں میں سے کسی ایک پر کفر کا فتویٰ ضرور لوٹے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۱۰۳)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أيما رجل مسلم أكفر رجلاً مسلمًا ، فإن كان كافرًا وإلا كان هو الكافر))

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر قرار دے تو اگر وہ واقعی کافر ہے تو ٹھیک ورنہ وہی (کافر کہنے والا) کافر ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۶۸۷، وسندہ صحیح)

فریقِ ثانی کی پیش کردہ حدیث بالا میں بھی ایسے ہی شخص کا ذکر ہے جو اپنے مسلم پڑوسی پر شرک کا بہتان لگائے، بہتان لگانے والی بات سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقت میں اس کا پڑوسی شرک سے محفوظ اور بری ہوگا شرک میں مبتلا نہیں ہوگا، اسی لئے وہ بہتان لگانے والا خود ہی مشرک ہو جائے گا، اس کا یہ غلط فتویٰ اسی پر لوٹے گا۔

رابعاً: غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ اس حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والا آپ کا امتی بھی شرک میں مبتلا ہوسکتا ہے اور "مشرک" ہوسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب وہ کسی شرک سے بری مسلم پر شرک کی تہمت لگائے گا، شرک کا غلط فتویٰ لگائے گا تو اس کی یہ تہمت اور فتویٰ خود اس پر لوٹے گا اور وہ اپنی ہی تہمت اور فتویٰ کا شکار ہو کر "مشرک" ہو جائے گا۔

اس لحاظ سے خود فریقِ ثانی کی پیش کردہ حدیث سے ان کے اس دعویٰ وعقیدہ کا ابطال ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا امتی شرک سے محفوظ ہے، وہ شرک نہیں کرسکتا۔

خامساً: فریقین بلکہ جملہ اہل اسلام کے ہاں یہ قاعدہ مسلمہ ہے: "**إن الحديث يفسر بعضه بعضًا**" کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم کسی بھی معاملہ میں کسی ایک ہی حدیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ نہیں کر بیٹھتے بلکہ اس سلسلے کی دیگر احادیث کو بھی سامنے رکھتے ہوئے غور وفکر کے بعد کسی مسئلہ سے متعلق فیصلہ کرتے ہیں، یہی طریقہ صحیح ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بڑی عجیب عجیب باتیں سامنے آئیں گی۔

احادیث اور امت میں شرک: قرآنِ مجید کے دلائل کے بعد اب ہم آپ کے سامنے احادیثِ مبارکہ سے اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنا چاہیں گے یقیناً ہدایت ونجات کے لئے قرآن مجید کے ساتھ احادیث مبارکہ بھی ایک اہم ذریعہ ہے اور قرآن وسنت پر اپنے ایمان وعمل کی بنیاد رکھنے والا شخص ہی گمراہیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

پہلی حدیث: سید الفقہاء والمحدثین سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا... اور سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ''ما الإسلام ؟'' اسلام کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الإسلام أن تعبد اللّٰه و لا تشرك به شيئاً))

اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے۔ (صحیح مسلم:۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ سوالات کے بعد وہ شخص لوٹ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دوڑ پڑے کہ اسے لے آئیں لیکن انھوں نے اسے نہ پایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم))

یہ جبریل علیہ السلام تھے لوگوں کو ان کا دین سکھلانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ (ایضاً)

اب اس حدیثِ مبارکہ پر غور کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعریف ہی یہ بیان فرمائی کہ ''تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔'' جب کوئی شخص شرک سے بچے گا تب ہی وہ اسلام میں داخل ہوگا۔

دوسری حدیث:

عن أبي ذر أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قال :((من قال في دبر صلاة الفجر وهو ثانٍ رجليه قبل أن يتكلم :لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد ، يحيي و يميت وهو علٰى كل شيءٍ قدير، عشر مراتٍ، كتبت له عشر حسنات ، ومحي عنه عشر سيئاتٍ ورفع له عشر درجاتٍ وكان يومه ذلك كله في حرز من كل مكروه وحرس من الشيطان ، ولم ينبغ لذنب أن يدركه في ذلك اليوم إلا الشرك باللّٰه))

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص نے نمازِ فجر کے بعد، دو زانو بیٹھے ہوئے بات چیت کرنے سے پہلے

دس (۱۰) مرتبہ ''لا إله إلا اللّٰه وحدهٗ، لا شريك لهٗ، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيءٍ قدير '' پڑھا تو اس کے لئے (اس کے نامہ اعمال میں) دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے اور اس دن وہ ہر تکلیف سے محفوظ ہو گا۔ ملخصاً (سنن الترمذی:۳۴۷۴، وقال: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح'' وھو حسن)

اس حدیث پر غور کیجئے ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ دن کے آغاز میں (نماز فجر کے بعد) دس بار اپنی زبان سے یہ کلمات ادا کرے تو شرک کے علاوہ اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، حالانکہ وہ اپنی زبان سے یہ کہے گا کہ ''لا إلـه إلا اللّٰه وحده لا شـريك لـه '' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ''لا شریک لہ'' کا اقرار کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''شرک'' کے علاوہ اسے کوئی گناہ اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتا۔ مطلب یہ کہ ''وحده لا شريك له '' کہنے کے بعد بھی وہ ''شرک'' کر سکتا ہے اور اگر ایسا ہو تو ''شرک'' کا وبال اس پر ضرور پڑے گا، اگر توبہ نہ کی تو سزا بھی ملے گی، ہاں اگر اس دن وہ شرک سے بچا رہا تو باقی گناہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اگر چاہے تو اپنے فضل وکرم سے معاف فرما دے۔

اب بتائیے ! نمازِ فجر کون پڑھتا ہے؟ کیا ہندو، سکھ، یہودی اور عیسائی بھی نمازِ فجر پڑھتے ہیں؟ کیا وہ بھی یہ کلمات ادا کرتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔

صرف رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق قبول کرنے والے امتِ اجابت میں شامل لوگ ہی نمازِ فجر ادا کرتے ہیں اور جسے اللہ رب العالمین توفیق بخشے اور وہ یہ حدیث وسنت جانتا ہو وہی یہ کلمات کہتا ہے۔ کیا اب بھی یہ کہنے کی ذرا برابر گنجائش باقی رہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا امتی شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا؟ وہ ''شرک'' کے خطرے سے بالکل محفوظ ہے!

تیسری حدیث:

''عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه ﷺ قال :((تفتح أبواب

الجنة يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفر لكل عبد لا يشرك بالله شيئاً إلا رجلاً كانت بينه وبين أخيه شحناء فيقال :أنظروا هٰذين حتى يصطلحا، أنظروا هٰذين حتى يصطلحا، أنظروا هٰذين حتى يصطلحا))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پیر اور جمعرات کے روز جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو بخش دیا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہیں ٹھہراتا۔ سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان ناراضی ہو۔ پس یہ کہا جاتا ہے کہ انھیں مہلت دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کر لیں ، انھیں مہلت دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کر لیں انھیں مہلت دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کر لیں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۶۵، دارالسلام: ۶۵۴۴)

اس حدیثِ مبارکہ میں ہر پیر اور جمعرات کے دن آسمان کے دروازے کھلنے کا جو ذکر ہے، ظاہر سی بات ہے کہ یہ سلسلہ قیامت تک کے لئے ہے تو اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر شرک نہ کرنے والے کو بخش دیتا ہے۔

اس بات کو خاص طور پر ذکر کرنا کہ ''جو شرک نہ کرتا ہو'' اس کی بخشش ہوتی ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ اس امت میں بھی شرک ہوسکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت کے لئے ہی یہ خوشخبری ہے نہ کہ امتِ دعوت جیسے یہودی، عیسائی ، ہندو، سکھ، بدھ مت وغیرہم کے لئے اس کی قدرے وضاحت ہم پانچویں قرآنی دلیل کے تحت عرض کر چکے ہیں۔

اس حدیث پر وہ بھائی بھی ذرا غور کرلیں ! جو اپنے صحیح العقیدہ دینی بھائیوں سے ناراضی مول لیتے ہیں اور پھر یہ ناراضی، بغض، کینہ وحسد کی شکل اختیار کرلیتی ہے مگر وہ ''صلح'' کرنے سے متعلق سوچتے تک نہیں۔ ذرا سوچیں کہ وہ ہر سات دنوں میں سے دو دن کتنی بڑی رحمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح ماہ وسال کا شمار کرلیں کہ کتنے ہی عمدہ مواقع وہ گنوا بیٹھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق دے اور ہر مسلم کے ساتھ اخلاص و محبت اور نصیحت وخیر خواہی کے جذبات عطا فرمائے۔ (آمین) [باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ]

محمد زبیر صادق آبادی

آلِ دیوبند اپنے خودساختہ اصولوں کی زد میں!

آلِ دیوبند اپنے مفاد کی خاطر وقتاً فوقتاً خودساختہ اصول بناتے رہتے ہیں لیکن اس فرقے کی بنیاد چونکہ جھوٹ پر ہے اور ''جھوٹ کا سر پیر نہیں ہوتا'' اس لئے یہ حضرات ایک اصول وضع کر کے ابھی بغلیں بجا رہے ہوتے ہیں کہ یہی اصول دوسری جگہ انھیں منہ چھپانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ زیرِ نظر سطور میں آلِ دیوبند کے کچھ ایسے ہی خودساختہ اصولوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے تئیں اپنے دفاع میں وضع کئے تھے لیکن وہ آلِ دیوبند کی اپنی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کر رہے ہیں۔ مثلاً:

۱) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی کے بقول: صحیح بخاری میں چار مقامات پر رفع یدین کی حدیث نقل کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا تھا: ''**رواہ حماد بن سلمة عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ و رواہ ابن طھمان عن ایوب و موسٰی بن عقبة مختصرا** (بخاری ج ۱ ص ۱۰۲)'' (تجلیات صفدر جلد ا ص ۴۲۲۔۴۲۳)

ماسٹر امین اوکاڑوی کے بقول بعض علماءِ اہل حدیث پیر سید بدیع الدین راشدی وغیرہ نے صحیح بخاری کی کتاب الصلاۃ شائع کی تو ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا تو ماسٹر امین اوکاڑوی نے علمائے اہل حدیث کے خلاف جلی حروف میں لکھا: ''ایک تازہ تحریف'' (تجلیات صفدر جلد ا ص ۴۲۲)

پھر ان الفاظ پر غلط سلط تبصرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''امام کے آخری فیصلہ کا یہی مقصد تھا جو نام نہاد اہل حدیث کے خلاف تھا۔ اس لئے خط کشیدہ عبارت کو عربی متن سے ہی حذف کر دیا (دیکھو کتاب الصلوۃ ص ۲۹۵ حدیث نمبر ۷۰۰)'' (تجلیات صفدر جلد ا ص ۴۲۳)

دوسری طرف خود دیوبندیوں نے ظہور الباری اعظمی فاضل دار العلوم دیوبند کے ترجمہ اور ماسٹر امین اوکاڑوی کے حاشیہ کے ساتھ جب صحیح بخاری کو شائع کیا تو انھوں نے بھی ان مذکورہ الفاظ کو حذف کر دیا دیکھئے تفہیم البخاری (جلد ا ص ۳۷۶ حدیث نمبر ۷۰۲)

اب دیوبندی بتائیں! کہ دیوبندیوں نے تحریف کی ہے یا ماسٹر امین اوکاڑی تحریف کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۲) دیوبندیوں کے مسلّم ''امام'' سرفراز خان صفدر گکھڑوی مشہور اہلِ حدیث عالم علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ کا ایک اعتراض نقل کرتے ہیں: ''اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں (۱) حماد بن سلمہؒ کا آخر عمر میں حافظہ کچھ خراب ہوگیا تھا۔'' (احسن الکلام ج۱ص ۳۰۹)

اہلِ حدیث عالم کے اس اعتراض کا جواب سرفراز صاحب یوں دینے کی کوشش کرتے ہیں:

''جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے (۱) تغیر یسیر کا محقق حکم پہلے لکھا جاچکا ہے اور حماد بن سلمہؒ کا ترجمہ بھی نقل کیا جاچکا ہے۔ کہ امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص حمادؒ بن سلمہؒ پر اعتراض کرنا چاہتا ہے۔ تو اسکو اس کے اسلام میں متہم سمجھو۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ **فاتهمه على الاسلام...** '' (احسن الکلام ج۱ص ۳۱۰)

حماد بن سلمہ کے متعلق دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں: ''علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ، المحدث اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج۱ص ۱۸۹) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی فتور آ گیا تھا (تقریب ص ۱۰۱) لیکن اس سے ان کی حدیث اور روایت پر مطلقاً اثر نہیں پڑتا اس کی مزید تحقیق اپنے مقام پر آئے گی، امام احمدؒ فرماتے ہیں جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حماد بن سلمہؒ کے حق میں کچھ کہتا ہو تو اس کو منافق سمجھنا (فاتہمہ علی الاسلام) (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۰)''

(احسن الکلام ج۱ص ۱۰۸ حاشیہ)

لیکن سرفراز خان صفدر کے اپنے چہیتے اور پسندیدہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے اس اصول کی ڈٹ کر مخالفت کی ہے چنانچہ رفع یدین کی ایک صحیح حدیث کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں رفع یدین کا اضافہ صرف اور صرف حماد بن سلمہ نے کیا ہے۔ وہ اگرچہ ثقہ تھے، مگر آخری عمر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا (تقریب ص ۸۲) اور کوئی ان کا متابع موجود نہیں۔ پس یہ روایت موقوفاً بھی صحیح نہیں۔'' (تجلیات صفدر ج۲ص ۲۸۴)

اب دیوبندی ہی بتائیں! کہ ان کے ''امام'' کے اصول کے مطابق ماسٹر اوکاڑوی کو

منافق سمجھنا چاہیئے یا نہیں؟ یاد رہے کہ حماد بن سلمہ پر اوکاڑوی والا اعتراض دیوبندیوں کے ''معروف عالم'' حبیب اللہ ڈیروی نے بھی کیا ہے۔ (دیکھئے اظہار التحسین ص ۱۶۵)

۳) محمد محمود عالم صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ '' فائدہ: اس تعریف کے اعتبار سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے اقوال وفتاوی حدیث کے حکم میں ہوں گے۔ امام اعظم ؒ کے اقوال کا منکر منکر حدیث ہوگا۔'' (قافلۂ حق ج ۱ شمارہ ۲ ص ۱۸۔ ۲۰۰۷ء)

اس اصول کے اعتبار سے اہلِ اسلام میں شاید ہی کوئی شخص ہو جو منکرِ حدیث ہونے سے بچا ہو، اختصار کے پیشِ نظر صرف امام ابوحنیفہ کے ایک شاگرد اور اس کے مؤید زکریا تبلیغی جماعت والے کا فتویٰ ملاحظہ کریں۔ چنانچہ جناب زکریا دیوبندی تبلیغی اعتکاف کے متعلق لکھتے ہیں: ''البتہ کمی میں اختلاف ہے کہ امام صاحب ؒ کے نزدیک ایک دن سے کم کا جائز نہیں۔ لیکن امام محمد ؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کا بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے''

(فضائل اعمال ص ۶۸۵، فضائل رمضان فصلِ ثالث، تبلیغی نصاب ص ۴۶۱، فضائلِ رمضان ص ۵۳)

اب دیوبندی ہی بتائیں! کہ امام ابوحنیفہ کا قول رد کر کے محمد بن حسن شیبانی اور زکریا صاحب دونوں منکر حدیث ہیں یا.....؟

۴) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی اپنی تائید میں طحاوی حنفی سے نقل کرتے ہیں کہ ''سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھتے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیں، اس سے تو آپ ؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۳)'' (تجلیات صفدر ج ۵ ص ۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز صفدر لکھتے ہیں:

''اگر ان کے پاس سات مرتبہ کی نسخ یا عدم وجوب کا علم نہ ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی عدالت اور عدالت پر اثر انداز ہوتا ہے اور....'' (خزائن السنن ۱/ ۱۹۱، ۱۹۲)

لیکن اوکاڑوی کے مربی و محسن اور دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز خان صفدر نے

دوسری جگہ اپنے اس اصول اور اوکاڑی اصول کی ڈٹ کر مخالفت کی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت بھی ساقط کر دی (نعوذ باللہ) چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''ہاں جہری نمازوں میں عدم جواز قرأۃ خلف الامام کی ایک دلیل یہ روایت بھی ہے باقی سری نمازوں کے لئے قرآن کریم کی آیت ۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ ۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث و اذا قرأ فانصتوا پہلے بیان ہو چکی ہے۔'' (احسن الکلام ج ا ص ۲۳۲)

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ سرفراز خان صفدر کے نزدیک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث و اذا قرأ فانصتوا بیان کی ہے اور اس سے مراد سری نمازوں میں قراءت کی ممانعت ہے۔ سرفراز صاحب نے اپنی اسی کتاب احسن الکلام میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دو آثار نقل کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں قراءت کے قائل و فاعل تھے۔ چنانچہ ایک اثر کے متعلق لکھتے ہیں: ''اصول حدیث اور محدثین کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن، جید قوی اور صحیح ہے۔'' (احسن الکلام ج ا ص ۳۱۴ حاشیہ)

وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ ''صرف ظہر و عصر کی سری نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرأت کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ اور وہ دونوں پہلی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ وشیٔ من القرآن کی قرأت کے بھی قائل تھے '' (احسن الکلام ج ا ص ۳۱۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترکِ قراءۃ خلف الامام کی ایک روایت کو ضعیف قرار دیا جہاں اور کئی علتیں بیان کیں وہاں ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے خلاف ہے تو سرفراز خان صفدر نے اس کا جواب یوں دیا:

''جواب: یہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا۔ اولاً اس لئے کہ مرفوع حدیث کو موقوف اثر کے تابع بنا کر مطلب لینا خلاف اصول ہے وثانیا اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ کہ اعتبار راوی کی مرفوع حدیث کا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ذاتی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا۔''

(احسن الکلام ج ا ص ۲۴۰)

دیوبندی بتائیں! کہ اوکاڑوی اور سرفراز دونوں کے ذکر کردہ اصول کے مطابق خود سرفراز

خان صفدر نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط کی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس نے نہ صرف اوکاڑوی کے اصول کی مخالفت کی بلکہ اوکاڑوی کے اصول کے خلاف اصول بھی لکھا ہے۔

۵) ماسٹر امین اوکاڑوی کے بقول کسی اہل حدیث عالم نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ (رضی اللہ عنہ) کی علامت نہیں لکھی تو ماسٹر امین نے اہل حدیث عالم کے خلاف لکھا:

''ہائے بغض صحابہ۔'' (تجلیات صفدر جلد ۲ ص ۴۴۹)

اگر سہواً یا نادانستہ رضی اللہ عنہ نہ لکھنا بغض ہوتا ہے تو یہ بغضِ صحابہ دیوبندیوں کے ''شیخ الہند'' محمود حسن دیوبندی کی کتاب ایضاح الادلہ (مطبع قاسمی مدرسہ دیوبند ص ۱۷) میں بھی موجود ہے بلکہ خود ماسٹر امین نے ''تفہیم البخاری جلد ا ص ۷۵ ج ۳'' پر اس بغض کا مظاہرہ کیا ہے کہ وہاں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ (رضی اللہ عنہ) کی علامت نہیں لکھی۔ (سطر نمبر ۱۹)

اب دیوبندی بتائیں! کہ ان کے شیخ الہند اور ماسٹر امین دونوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھتے تھے یا ماسٹر امین اوکاڑوی ایسے حوالے پر بغض کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔

٦) ماسٹر امین اوکاڑوی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''تمام اہلِ سنت اجماعِ امت کو دلیل شرعی مانتے آئے ہیں اجماع امت کا مخالف بنصِ کتاب وسنت دوزخی ہے'' (تجلیات صفدر جلد ا ص ۲۸۷)

اور ایک دوسری جگہ اہل حدیث کے خلاف جلی حروف میں لکھا:

''مخالفت اجماع کی تیسری مثال'' (تجلیات صفدر جلد ۳ ص ٦١٨)

اس تیسری مثال میں آیت ''واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''ناظرین باتمکین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے، تابعینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا شان نزول نماز ہے، تبع تابعینؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس پر سلف وخلف کا اجماع نقل فرماتے ہیں۔ لیکن غیر مقلدین صحابہؓ تابعینؒ تبع تابعین کے اقوال وروایات کو نظر انداز کر کے ان سب سے منہ موڑ کر چھٹی صدی ہجری کے ایک مفسر امام رازیؒ کے مرجوح قول کو سینے سے لگاتے اور گلے کا ہار بناتے ہیں۔ امام رازی کا قول مرجوح یہ ہے کہ

یہ آیت کریمہ کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے حالانکہ اس آیت کریمہ کو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل قرار دینا تفسیر بالرأی اور بدعت سیئہ ہے بلکہ اس آیت مقدسہ کی حقیقت کے انکار کے مترادف ہے..." (تجلیات صفدر جلد۳ ص ۶۱۹)

لیکن دیوبندیوں کے ''حکیم الامت'' اشرفعلی تھانوی لکھتے ہیں کہ ''میرے نزدیک : اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو۔ تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قراءت فی الصلاۃ مراد نہیں۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔'' (الکلام الحسن جلد۲ ص ۲۱۲) اور اشرفعلی تھانوی کے خلیفہ عبدالماجد دریا آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''حکم کے مخاطب ظاہر ہے کفار و منکرین ہیں، اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ وخاموشی کے ساتھ سنو، تاکہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمھاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لا کر مستحق رحمت ہو جاؤ۔'' (تفسیر ماجدی ص ۳۷۳، دوسرا نسخہ ج۲ ص ۲۶۳)

اب دیوبندی بتائیں! کہ اشرفعلی تھانوی اور عبدالماجد دریا آبادی بدعتی ہیں جو بقولِ اوکاڑوی اجماع کی مخالفت کر کے دوزخی ہوئے ہیں اور انھوں نے آیت مقدسہ کی حقیقت کا انکار کیا ہے یا ماسٹر امین اوکاڑوی الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

تنبیہ: واذا قرئ القرآن کے بارے میں اوکاڑوی کا دعویٰ اجماع باطل ہے۔ وہ کیسا اجماع ہے جس سے بہت سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ مسلمین مثلاً امام شافعی وغیرہ خارج ہیں؟ تفصیل کے لئے دیکھئے الکواکب الدریۃ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہر یہ

۷) ماسٹر امین اوکاڑوی نے غیر مقلد کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ جاہل ہی پیدا ہوتا ہے، جاہل ہی رہتا ہے اور جاہل ہی مرتا ہے۔ وہ ساری عمر کتاب اللہ سے بھی جاہل رہتا ہے۔ سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بھی۔ اور کتاب وسنت کا علم تو اسے کیا ہوتا۔ اس کو اپنے بارہ میں بھی علم نہیں ہوتا کہ میں جاہل ہوں۔'' (تجلیات صفدر جلد۴ ص ۲۴۲)

ایک اور جگہ لکھا: ''اور غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے'' (تجلیات صفدر جلد۴ ص ۳۰۰)

دوسری طرف اشرفعلی تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں: '' کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ کا غیر مقلّد ہونا یقینی ہے۔'' (مجالس حکیم الامت ص ۳۴۵) ائمۂ اربعہ کے بارے میں تھانوی سے پہلے طحطاوی (حنفی) لکھتے ہیں: ''**وھم غیر مقلدین** '' (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار ۱/۵۱)

اب دیوبندی ہی بتائیں! کہ ماسٹر اوکاڑوی کے مذکورہ فتوے کو وہ امام ابوحنیفہ پر چسپاں کریں گے یا اوکاڑوی کو فتوے لگانے کی وجہ سے جھوٹا کہیں گے یا پھر ان حنفی کہلانے والوں کو کذابین میں شامل کریں گے جنھوں نے امام ابوحنیفہ کو غیر مقلد کہا ہے۔

لطیفہ: ماسٹر اوکاڑوی کے پیشوا اور دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز صفدر لکھتے ہیں:
''اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے جو احکام اور دلائل سے ناواقف ہے یا...'' (الکلام المفید ص ۲۳۴)

۸) ماسٹر امین اوکاڑوی کے بھتیجے محمد محمود عالم صفدر دیوبندی نے اہل حدیث کے خلاف ''اصول حدیث'' کے نام سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں اُس نے امام ابوحنیفہ کو تابعی سمجھ لیا اور تابعی کے قول کو حدیث سمجھ لیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''فائدہ:- اس تعریف کے اعتبار سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اقوال وفتاوی حدیث کے حکم میں ہوں گے امام اعظمؒ کے اقوال کا منکر منکر حدیث ہوگا'' (قافلہ حق جلد ۱ شمارہ نمبر ۲ ص ۱۸)

عرض ہے کہ اگر تابعی کا قول وفتویٰ حدیث کے حکم میں ہے اور اس کا منکر منکر حدیث ہے تو ماسٹر امین اوکاڑوی نے تابعی کے قول کو حجت تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اور ایک تابعی کا عمل اگرچہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تب بھی اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔'' (تجلیات صفدر جلد ۵ ص ۱۱۳)

اب دیوبندی بتائیں! کہ محمود عالم صفدر کے اصول کے مطابق ان کے چچا اور پیشوا ماسٹر امین اوکاڑوی منکر حدیث ہیں یا محمود عالم بذاتِ خود اہل حدیث پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔

۹) ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتے ہیں کہ ''اور غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے''
نیز لکھتے ہیں: ''اور غیر مقلد پر تعزیز واجب ہے'' (تجلیات صفدر جلد ۴ ص ۳۰۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''مسائلِ منصوصہ غیر متعارضہ محکمہ میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے، نہ تقلید

کی، مثلاً تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا منصوص بھی ہے...'' (تجلیات صفدر جلد ۶ ص ۹۱)

مسائل منصوصہ متعارضہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''مسائل منصوصہ متعارضہ ہوتے ہیں جن میں واضح حکم شرعی قرآن وحدیث میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اجتہاد اور تقلید کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً بعض احادیث میں رکوع وسجود کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، بعض میں نہ کرنے کا۔'' (تجلیات صفدر جلد ۶ ص ۹۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی کے اصول کے مطابق جن مسائل میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سب سے پہلی مثال ماسٹر امین نے ترک رفع یدین کی دی ہے لیکن اوکاڑوی کے پیشوا اور دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں کہ ''اولا اس لیے کہ مسئلہ ترکِ رفع یدین میں احناف تقلید نہیں کرتے بلکہ اس میں احادیث صحیحہ اور صریحہ کی پیروی کرتے ہیں...'' (الکلام المفید ص ۲۱۲) اب دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین نے جس مسئلہ میں سب سے پہلے تقلید پر زور دیا دیوبندیوں کے ''امام وپیشوا'' نے اسی مسئلہ میں تقلید کا انکار کر دیا ہے۔ کیا سرفراز صاحب پر تعزیز واجب ہے یا اوکاڑوی الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۱۰) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی، فاتحِ قادیان مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ (اہل حدیث) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''قرآن پاک پر جھوٹ بولنے کے بعد بخاری، مسلم پر بھی جھوٹ بول دیا اور لکھا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۴۴۳، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ر ص ۹۱)...''

(تجلیات صفدر جلد ۲ ص ۲۳۴)

یاد رہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے بخاری ومسلم کے ساتھ ان کی شروح بھی کہا ہے اور شروح میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات صراحتاً مذکور ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے قاری چن محمد دیوبندی کے ساتھ مناظرہ میں یہ ثابت کیا تھا کہ بخاری کی حدیث سے سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر اوکاڑوی کے نزدیک یہ حوالہ غلط ہونے کی وجہ سے جھوٹ ہے تو اس طرح کے جھوٹ اوکاڑوی اور اس کے پیشواؤں بلکہ دیگر دیوبندیوں

نے بھی بول رکھے ہیں مثلاً:

① ماسٹر امین اوکاڑوی خود لکھتے ہیں: ''اس حدیث کو محدث ابن ترکمانی نے مسلم شریف کے حوالہ سے لکھا۔ حالانکہ یہ حدیث اس راوی سے مسلم میں نہیں ہے۔'' (تجلیات صفدر جلد ۴ ص ۲۴۷)
تو کیا ابن ترکمانی حنفی کو بھی جھوٹا کہا جائے گا؟

② ماسٹر اوکاڑوی کے ''شیخ الاسلام'' ابن ہمام (حنفی) نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ نماز جنازہ کے وقت امام میت کے سامنے کہاں کھڑا ہو؟ یہ لکھا ہے کہ امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے سینہ کے مقابل کھڑا ہونا بھی نقل کیا ہے۔ (دیکھئے فتح القدیر جلد ۲ ص ۱۳۰، دوسرا نسخہ ص ۸۹)
حالانکہ یہ حوالہ بھی بالکل غلط ہے اور ماسٹر امین کے اصول کے مطابق جھوٹ ہے۔

نوٹ: حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ایسی بہت سی مثالیں جمع کر رکھی ہیں جن میں دیوبندی مولویوں اور ان کے پیشواؤں نے غلط حوالے دے رکھے ہیں تو کیا دیوبندی ان لوگوں کو جھوٹا کہنے کیلئے تیار ہیں؟

۱۱) ابو بلال اسماعیل جھنگوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ ''حکیم صادق کے جھوٹ ملاحظہ ہوں۔ یہ ہے صلاۃ الرسول۔ (۱) ص ۱۳۱۔ پر اذان لکھ کر بخاری و مسلم کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ روایت بخاری میں نہیں یہ بخاریؒ پر تہمت ہے'' (تحفہ اہل حدیث جلد ۱ ص ۹۴)
جمیل احمد نذیری دیوبندی نے اپنی کتاب ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز'' کے ص ۴۵ پر اذان لکھ کر بخاری کا حوالہ بھی دیا ہے اور جھنگوی اصول کے مطابق یہ جھوٹ ہے۔
دیوبندی بتائیں! کہ مفتی جمیل جھوٹا ہے یا جھنگوی الزام لگانے کی وجہ سے جھوٹا ہے؟

۱۲) حکیم مولانا صادق سیالکوٹی کے بارے میں اسماعیل جھنگوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ ''(۴) ص ۱۳۵ پر، چار دفعہ اللہ اکبر والی اذان لکھ کر مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ جھوٹ ہے۔''
(تحفہ اہل حدیث جلد ۱ ص ۹۴)

دیوبندیوں کے مشہور مناظر منظور نعمانی نے معارف الحدیث میں چار دفعہ اللہ اکبر والی اذان لکھ کر مسلم کا حوالہ دیا ہے (جلد ۳ ص ۱۵۰) تو جھنگوی اصول کے مطابق منظور نعمانی جھوٹے ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں! کہ ان کے نزدیک منظور نعمانی دیوبندی جھوٹے ہیں یا جھنگوی الزام لگانے کی وجہ سے جھوٹا ہے۔

۱۳) مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سبیل الرسول ﷺ'' میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث یوں لکھی: ''رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو برس میں (یک بارگی) تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھی'' (سبیل الرسول ص ۱۸۳)

اس ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتے ہیں کہ ''تیسرا جھوٹ: اسی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ''یکبارگی'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا جو حدیث میں مذکور نہیں۔''

(تجلیات صفدر جلد ۵ ص ۳۶)

اسی ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اسمٰعیل جھنگوی دیوبندی نے لکھا ہے کہ ''(۳) اسی طرح طلاق ثلاثہ والی روایت کے ترجمے میں یکبارگی کا لفظ بڑھایا ہے۔ جو سیاہ یا سفید جھوٹ ہے۔'' (تحفہ اہل حدیث ص ۹۴، ۹۵ حصہ اول)

مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے یکبارگی کا لفظ بریکٹ میں لکھا ہے اگر حدیث کی وضاحت کیلئے بریکٹ میں کوئی لفظ لکھنا جھوٹ ہے تو یہ جھوٹ ماسٹر امین اوکاڑوی نے بھی بول رکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''تو تو نے (تین طلاقیں اکٹھی دے کر) خدا کی نافرمانی بھی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی (مسلم جلد ۱ ص ۴۷۶)'' (تجلیات صفدر جلد ۴ ص ۵۹۸)

ماسٹر اوکاڑوی نے بریکٹ میں ''تین طلاقیں اکٹھی'' کا لفظ لکھ کر اپنے اور جھنگوی کے اصول کے مطابق جھوٹ بولا ہے۔ نیز محمد پالن حقانی (دیوبندی) لکھتے ہیں: ''موطا امام مالک اور بیہقی کی روایت ہے کہ'' سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت جماعت سے پڑھنے کا حکم دیا اسکو اہل حدیث صاحبوں نے دل جان سے قبول کر لیا اور سنت موکدہ قرار دے دیا اور صحیح مسلم شریف میں اور ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک

مجلس کی تین طلاق کو تین سمجھا اسکو کیوں نہیں مانتے ؟ یہ نفسانیت اور ضد نہیں تو کیا ہے''

(شریعت یا جہالت ص ۲۱۲، دوسرا نسخہ ص ۱۹۸، ۱۹۹)

اوکاڑوی اور جھنگوی کے اصولوں کے مطابق پالن حقانی نے ایک مجلس کا لفظ صحیح مسلم اور ابوداود کے حوالہ سے لکھ کر سیاہ یا سفید جھوٹ بولا ہے۔ پالن حقانی دیوبندی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کو صحیح مسلم کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کو ایک خیال کیا جاتا تھا'' (شریعت یا جہالت ص ۲۱۲، دوسرا نسخہ ص ۱۹۹)

پالن حقانی دیوبندی نے تو ''ایک ساتھ تین طلاقیں'' بغیر بریکٹ کے لکھا ہے جو اوکاڑوی و جھنگوی کے اصولوں کے مطابق سیاہ یا سفید جھوٹ ہے۔

پالن حقانی دیوبندی کی یہ کتاب مولوی زکریا تبلیغی جماعت والے اور دیگر کئی علمائے دیوبند کی مصدقہ کتاب ہے لہٰذا اوکاڑوی و جھنگوی کے اصولوں کے مطابق یہ سب جھوٹے ہیں۔

اب دیوبندی بتائیں! کہ اوکاڑوی اور جھنگوی کے اصولوں کے مطابق یہ دیوبندی جھوٹے ہیں یا اوکاڑوی اور جھنگوی دونوں الزام لگانے کی وجہ سے جھوٹے ہیں۔

۱۴) محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''میں اس تصور کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، ائمہ ہدیٰ اور اکابر امتؒ نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا۔ اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کی رائے ان اکابر کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔''

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول ص ۳۷، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۵)

صحیح مسلم میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں تمھیں ہاتھ اٹھائے ہوئے، اس طرح دیکھتا ہوں جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ (ص ۱۸۱ جلد ۱)

اس حدیث سے کسی صحابی، تابعی، ائمہ اربعہ میں سے کسی امام یا ان کے کسی شاگرد یا

کسی ایسے محدث نے جس نے احادیث کو باسند جمع کیا ہو، نے رکوع کے وقت رفع یدین کی ممانعت پر استدلال نہیں کیا بلکہ محدثین نے اس حدیث سے سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت مراد لی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ محمد تقی عثمانی صاحب اور محمود حسن دیوبندی نے اس حدیث سے رکوع کے وقت رفع یدین کی ممانعت کے استدلال کو مشتبہ اور کمزور قرار دیا۔ دیکھئے درس ترمذی (جلد۲ص ۳۶) تقاریر شیخ الہند (ص ۶۵) اور نور العینین (طبع جدید ص ۲۹۸)

ہم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا ثابت ہے لیکن نبی ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی رکوع جاتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے وقت اس طرح ہاتھ نہیں اٹھائے کہ انھیں نعوذ باللہ شریر گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی جائے۔ لیکن محمد یوسف لدھیانوی، ماسٹر امین اوکاڑوی، انوار خورشید جیسے بہت سے دیوبندی مولویوں نے اس حدیث سے رکوع کے وقت رفع یدین کی ممانعت مراد لی ہے۔ چنانچہ محمد یوسف لدھیانوی نے اس حدیث کو رکوع والے رفع یدین کے خلاف پیش کر کے لکھا ہے:

''...تو اس سے ہر صاحب فہم یہ سمجھے گا کہ رفع یدین سکون کے منافی ہے۔''

(اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۱۲۸، دوسرا نسخہ ص ۹۳)

نیز اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہ یہ حدیث صرف سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت میں ہے لکھتے ہیں: ''یہ مسلّمہ اصول ہے کہ خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔'' (ایضاً) محمد یوسف لدھیانوی کے اس اصول کے مطابق تو نماز وتر میں دعائے قنوت اور عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کے وقت جو رفع یدین حنفی اور دیوبندی کرتے ہیں وہ بھی سکون کے منافی ہوگا۔ نیز یوسف لدھیانوی کے اصول کے مطابق صحابہ، تابعین، ائمہ دین تو نعوذ باللہ صاحبِ فہم نہیں ہونگے کہ انھوں نے اس حدیث سے ترک رفع یدین پر استدلال نہیں کیا۔ لہٰذا محمد یوسف لدھیانوی اور ان کے ساتھی اس حدیث کا ایسا مطلب لینے کی وجہ سے جو صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ نے نہیں کیا اپنے ہی اصول کے مطابق گمراہ بلکہ گمراہی کی جڑ ہوں گے۔ وما علینا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

صحیح بخاری کا دفاع

(قسط:۲)

مجرم (۹): ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی صفیہؓ سے کہا: ''او سر مُنڈی ہلاک ہونی'' (بخاری کتاب الطلاق۔صفحہ ۱۴۳) '' (اسلام کے مجرم ص ۳۱)

الجواب: صحیح بخاری (۵۳۲۹) کی یہ حدیث مسند احمد (۱۲۲/۶) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ ''**عقریٰ حلقیٰ و تربت یمینك**'' وغیرہ الفاظ اہلِ عرب عادۃً بغیر کسی قصد کے استعمال کرتے تھے۔ (فتح الباری ۱۷۲/۱۱)

اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**اللهم !فأيما مؤمن سببته فاجعل ذلك له قربة إليك يوم القيامة**)) اے میرے اللہ! میں نے جس مومن کے بارے میں سخت الفاظ کہے ہیں، تُو انھیں قیامت کے دن اُس کے لئے وسیلۂ قربت بنا دے۔

(صحیح بخاری:۶۳۶۱)

جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے واپس رُکنا پڑے گا تو اس وقت آپ نے یہ الفاظ بیان فرمائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ محترمہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے قربت بنا دیا ہے لہٰذا اعتراض کیسا؟

مجرم (۱۰): ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ نے اُن سے نکاح کیا تو ان کی عمر ۶ سال تھی۔ جب ان سے خلوت کی گئی تو عمر ۹ سال تھی (صحیح بخاری کتاب النکاح، صفحہ ۷۵)

قرآن کے مطابق ذہنی اور جسمانی بلوغت نکاح کے لئے لازم ہے.. '' (اسلام کے مجرم ص ۳۱)

مجرمانہ حملے کرنے والوں کی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ''مثال کے طور پر امام بخاری نے لکھ دیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نبی کریمؐ سے ۶ (چھ) برس کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی ۹ برس کی عمر میں عمل میں آئی تھی یہ لوگ اتنا بڑا بہتان اُس ذات اقدسؐ کی شان میں برداشت کرلیں گے لیکن بخاری پر اُنگلی نہیں

اُٹھائیں گے۔'' (اسلام کے مجرم ص ۸)

الجواب: قرآنِ مجید میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ نکاح کے لئے ذہنی اور جسمانی بلوغت لازم ہے بلکہ آیت ﴿وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ﴾ اور جنھیں حیض نہ آیا ہو۔ (الطلاق:۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بچی سے نکاح وطلاق کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ جنھیں حیض نہ آیا ہو، سے مراد چھوٹی بچیاں ہیں، دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری السُّنی (۹۲/۲۸)

چھ یا سات سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی والی بات تواتر کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ اسے عروہ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶ وصحیح مسلم: ۱۴۲۲) اسود بن یزید (صحیح مسلم) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳ وسندہ حسن) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (سنن النسائی ۶/ ۱۳۱ ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن) اور عبداللہ بن صفوان رحمہم اللہ (المستدرک للحاکم ۴/ ۱۰ ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔ تابعین کرام میں سے درج ذیل علمائے حق سے اس مفہوم کے اقوال ثابت ہیں:

۱: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (مسند احمد ۶/ ۲۱۱ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۲: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (ایضاً وسندہ حسن)

۳: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/ ۲۶ ح ۶۲ وسندہ حسن)

۴: عروۃ بن الزبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۸/ ۶۰ وسندہ صحیح)

۵: زہری (طبقات ابن سعد ۸/ ۶۱ وھو حسن)

اور اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۳/ ۱۲۹)

لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل ومردود ہے۔ امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (۶/ ۱۱۸، ۲۸۰) امام حمیدی (المسند: ۲۳۳ بتحقیقی وسندہ صحیح) اور امام شافعی (کتاب الام ۵/ ۱۶۷) وغیرہم نے اس حدیث کو بیان کر رکھا ہے لہٰذا اسے ''بڑا بہتان'' قرار دینا اصل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حملہ ہے۔

تنبیہ: اس بات کا ثبوت اخباروں میں مع تصویر موجود ہے کہ نو (۹) سال کی بچی کے ہاں اولاد ہوئی ہے۔ مثلاً دیکھئے روزنامہ جنگ ۱۶/اپریل ۱۹۸۶ء ص ۵، ۱۴/جون ۱۹۹۳ء ص ۲

مجرم (۱۱): ''صحیح بخاری کتاب النکاح صفحہ ۱۸۲ اور کتاب البیوع صفحہ ۷۷۸ پر لکھا ہے کہ خیبر کا قلعہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہودی عورت) صفیہ کا حسن و جمال بیان کیا گیا۔ اس کا شوہر مارا گیا تھا اور وہ نئی دلہن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے لئے منتخب کر لیا۔ پھر آپؐ نے خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان ٹھہر کر صفیہ سے خلوت وصحبت کی (خلاصہ حدیث) نہ صرف ان دونوں احادیث میں نکاح کا ذکر نکال دیا گیا ہے بلکہ یہ تک کہا گیا ہے کہ صحابہ کو معلوم ہی خلوت کے بعد ہوا کہ صفیہؓ ام المومنین بن گئی ہیں۔'' (اسلام کے مجرم ص ۳۳)

الجواب: صفیہ بنت حُیَي بن اَخطب کا خاوند کنانہ بن ابی الحقیق (یہودی) غزوۂ خیبر میں مارا گیا تھا اور وہ مالِ غنیمت میں شامل ہو کر دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں لونڈی بن کر آئیں۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تو آپ نے سات غلام دے کر صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا پھر انھیں آزاد کر کے نکاح کر لیا اور یہی آزاد کرنا اُن کا حق مہر بنایا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳۷۱) وصحیح مسلم (۱۳۶۵ بعد ح ۱۴۲۷)

صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے: ''وتزوّجھا'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (صفیہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کر لیا۔ (کتاب الصلوۃ باب مایذکر فی الفخذ ح ۳۷۱) جبکہ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ ''نکاح کا ذکر نکال دیا گیا ہے''

ایک روایت میں ذِکر نہ ہو اور دوسری روایت میں ذِکر ہو تو اس ذِکر کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔ یہ اصول مسلّم ہے کہ جس طرح قرآن قرآن کی تشریح کرتا ہے، اسی طرح حدیث بھی حدیث کی تشریح کرتی ہے لہٰذا تمام صحیح وثابت روایات کو جمع کر کے ان کا مفہوم سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں سمجھنا چاہیے ورنہ گمراہی کی گہری کھائیوں میں جا گریں گے۔

رحمۃ للعالمین نے فتح خیبر کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے رشتۂ ازدواج میں لا کر ہمیشہ کے لئے ام المومنین بنا دیا مگر منکرین حدیث اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں کھجور، پنیر اور گھی سے لوگوں کی ضیافت کی گئی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۳۶۵/۸۷ وترقیم دارالسلام: ۳۵)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح والی حدیثیں صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۱۲۳/۳) ومصنف ابن ابی شیبہ (۴۶۱/۱۴۔ ۴۶۲) وغیرہما میں بھی موجود ہیں۔ والحمدللہ

مجرم (۱۲): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی کی مانند ٹیڑھی ہے۔ اگر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو ٹوٹ جائے گی۔ اُسے ٹیڑھی رہنے دو اور فائدہ اُٹھاتے چلے جاؤ۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۹۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۳)

الجواب: صحیح بخاری (۵۱۸۴) کی یہ حدیث مسند احمد (۴۴۹/۲، ۴۹۷، ۵۳۰) اور مسند الحمیدی (۱۱۷۷ بتحقیقی وسندہ صحیح) وغیرہما میں موجود ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے عبدالرحمٰن الاعرج، عجلان، ابوحازم اور سعید بن المسیب نے بیان کیا ہے۔

عورت کا پسلی سے پیدا کیا جانا قرآنِ مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا زوج پیدا کیا۔ (النسآء:۱) نیز دیکھئے سورۃ الاعراف (۱۸۹) اور سورۃ الزمر (۶)

نفسِ واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام اور زوج سے مراد حواء علیہا السلام ہیں۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر (۱۵۰/۴) وتفسیر ابن کثیر (۱۸۵/۲) وغیرہما۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے تفسیر ابن جریر الطبری کے بارے میں فرمایا: میں نے اسے شروع سے آخر تک دیکھا ہے اور میں روئے زمین پر محمد بن جریر سے بڑا عالم کوئی نہیں جانتا اور حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۴۷/۵۵ وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تفسیر ابن جریر الطبری کو لوگوں کے پاس موجود تمام تفاسیر سے صحیح ترین قرار دیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۸۵/۱۳)

مجرم (۱۳): ''سلیمان علیہ السلام نے صرف ایک رات میں سو بیویوں کے ساتھ مباشرت کی (بخاری، کتاب

النکاح۔صفحہ ۱۱۰) ملاحظہ فرمائیے ایک رات، چند گھنٹے اور اللہ کا ایک عالی مقام پیغمبر!'' (اسلام کے مجرم ص ۳۴)

الجواب: صحیح بخاری (۵۲۴۲) سے پہلے یہ حدیث مسند امام احمد (۲۲۹/۲) اور مسند امام حمیدی (۱۱۷۴ بتحقیقی وسندہ صحیح) وغیرہما میں موجود ہے اور عالی مقام پیغمبر علیہ السلام کا اپنی بیویوں سے مباشرت کرنا کوئی جرم نہیں ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے۔!

اگر کوئی کہے کہ یہ محیر العقول بات ہے تو عرض ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تابع ہوا صبح کے وقت ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی اور شام کے وقت بھی ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی۔ دیکھئے سورۃ سبا (۱۲)

ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ ملکۂ سبا کے تخت کو (دور یمن سے) پلک جھپکنے میں لے آیا تھا۔ (النحل: ۴۰)

جس طرح یہ تمام واقعات اللہ کے اذن وقدرت سے ظہور پذیر ہوئے، اسی طرح یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا۔ قرآنِ مجید کی کسی آیت سے بھی اس حدیث کا غلط ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۴ ص ۱۵، ۱۶

مجرم (۱۴): ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ بنت جحش کے پاس شہد پیا۔ دیگر امہات المومنین نے منصوبہ بنایا کہ جس بیوی کے پاس جائیں گے وہ یہی کہے گی کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بدبو آرہی ہے۔ (بخاری کتاب الطلاق۔ صفحہ ۱۲۰)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۵)

الجواب: صحیح بخاری (۵۲۶۸) کی اس حدیث میں صراحت ہے کہ یہ منصوبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنایا تھا۔ اس واقعے کا مختصر ذکر قرآنِ مجید (سورۃ التحریم: ۱۔۵) میں موجود ہے۔

صحیح بخاری والی حدیث مسند احمد (۵۹/۶) اور مسند عبد بن حمید (۱۴۸۹) وغیرہما میں بھی مذکور ہے لہٰذا اس ثابت شدہ واقعے اور حقیقت کا انکار کر دینا دراصل قرآن وحدیث کا انکار ہے۔

مجرم (۱۵): ''عائشہؓ بولیں '' ہائے سر پھٹا '' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش میری زندگی میں ایسا ہو جاتا۔ عائشہؓ بولیں آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگلی رات دوسری بیوی کے پاس گزاریں۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۴۷) '' (اسلام کے مجرم ص ۳۶)

الجواب: صحیح بخاری (کتاب المرضیٰ ح ۵۶۶۶، کتاب الاحکام ح ۷۲۱۷) کی اس حدیث میں آیا ہے کہ (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: ہائے میرا سر! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اگر میری زندگی میں ہوا تو میں تیرے لئے استغفار و دعا کروں گا۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: ہائے میری مصیبت! اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ آپ میری موت چاہتے ہیں اور اگر ایسا ہوگیا تو آپ اس دن کا آخری حصہ اپنی کسی بیوی کے پاس گزاریں گے۔ تو نبی ﷺ نے (اس کی تردید میں) فرمایا: بلکہ ہائے میرا سر! میرا ارادہ ہے کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے (رضی اللہ عنہما) کو باتیں کرنے والوں کی باتوں اور تمنا کرنے والوں کی تمنا سے پہلے بلاؤں، عہد کروں اور کہہ دوں: اللہ اور اہلِ ایمان اسے (خلافت کو) نہیں مانیں گے (مگر صرف ابوبکر کے لئے) نیز دیکھئے صحیح مسلم (۲۳۸۷ و ترقیم دارالسلام: ۶۱۷۱)

صحیح بخاری والی یہ روایت مسند احمد (۱۴۴/۶) وطبقات ابن سعد (۱۸۰/۳) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی اعتراض نہیں کیا لہٰذا ان کا خیال وگمان منسوخ ہوا۔ دوسرے یہ کہ میاں بیوی کی باہم پیار و محبت والی باتوں پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے؟

مجرم (۱۶): ''مدینہ آنے والے کچھ لوگ بیمار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اونٹوں کے چرواہے کے پاس چلے جائیں اور اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہیں۔ وہ لوگ تندرست ہوگئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے آدمی انھیں پکڑ لائے۔ ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھیں نکلوادی گئیں پھر ان کو تپتی ریت پر لٹا دیا گیا۔ وہ پیاس کی شدت سے پانی مانگتے تھے اپنی زبان سے زمین چاٹتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

(بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۵۴)

صاحبو! کیا رحمت للعالمین ﷺ ایسی ایذاء رسانی فرما سکتے تھے! کیا اونٹنی کا پیشاب لوگوں کو پلا سکتے تھے؟ کیا یہ دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے؟'' (اسلام کے مجرم ص ۳۶، ۳۷)

الجواب: یہ لوگ جنھیں اس طرح قتل کیا گیا قاتل اور چور تھے، کافر اور دشمنانِ اسلام تھے، انھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا اور اللہ و رسول سے جنگ کی تھی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۳) انھوں نے صحابۂ کرام کو شہید کیا تھا اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی تھیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۶۷۱ و ترقیم دارالسلام: ۴۳۶۰)

معلوم ہوا کہ انھیں قصاص میں قتل کیا گیا تھا۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تمھیں دی گئی تھی۔ دیکھئے سورۃ النحل: ۱۲۶

مرتدین و مفسدین کے قتل والی اس حدیث کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے روایت کیا ہے:

۱: ابوقلابہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد ۳/۱۶۱، ۱۸۶، ۱۹۸)

۲: قتادہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد ۳/۱۶۳، ۱۷۰، ۱۷۷، ۲۸۷، ۲۹۰)

۳: ثابت البنانی (صحیح بخاری: ۵۶۸۵)

۴: عبدالعزیز بن صہیب (صحیح مسلم: ۱۶۷۱، دارالسلام: ۴۳۵۳)

۵: حمید الطّویل (صحیح مسلم: ۴۳۵۳ و مسند احمد ۳/۱۰۷، ۲۰۵)

۶: معاویہ بن قرہ (صحیح مسلم: ۱۶۷۱/۱۳۵۸)

۷: یحییٰ بن سعید (سنن النسائی ۱/۱۶۰ ح ۳۰۷ وأعلہ بعلۃ غیر قادحۃ، ۷/۹۸ ح ۴۰۴۰)

۸: سلیمان التیمی (صحیح مسلم: ۱۶۷۱ و سنن الترمذی: ۷۳ و قال: غریب)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے۔

سعید بن جبیر تابعی نے بھی اس مفہوم کی روایت بیان کی۔ (تفسیر ابن جریر ۶/۱۳۳، ۱۳۴ و سندہ صحیح)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ، حدود کے نزول سے پہلے کی ہے اور منسوخ ہے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۶۹، ۷۰)

رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے مظلوم صحابہ کی دردناک شہادت کا انتقام لے لیا تو اس میں ایذا رسانی کی کیا بات ہے؟ رہا بیمار کے لئے اونٹ کے دودھ اور پیشاب کا مسئلہ تو اس کا تعلق طب سے ہے۔ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری کی مشہور کتاب خزائن الادویہ میں اونٹ کے باب میں لکھا ہوا ہے کہ ''پیشاب اسکا استسقاء کے لئے نہایت موثر ہے..'' (ج ۲ ص ۲۱۸)

معلوم ہوا کہ یہ مشہور صحیح حدیث دشمنانِ اسلام کی سازش نہیں ہے بلکہ سازشی تو وہ لوگ ہیں جو دن رات عام مسلمانوں کو قرآن و حدیث سے ہٹا کر اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔

مجرم (۱۷): ''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوت یعنی متعدی بیماری کوئی نہیں ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کوڑھی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ (بخاری کتاب الطب۔ صفحہ ۲۵۹)'' (اسلام کے مجرم ص ۳۷)

الجواب: بذاتِ خود چھوت یعنی متعدی بیماری کسی کو نہیں لگتی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کوئی بیماری کسی کو لگا دے تو وہ لگ جاتی ہے کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی بیماری لگی ہوئی ہو، پھر اس شخص سے بچا جائے اور احتیاط کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بیماری بذاتِ خود ضرور بالضرور دوسرے کو لگ جاتی ہے بلکہ اس احتیاط و پرہیز کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر یہ بیماری اللہ کے اذن سے کسی دوسرے کو لگ جائے تو عین ممکن ہے کہ اس شخص کا عقیدہ خراب ہو جائے اور وہ یہ سمجھنا شروع کر دے کہ متعدی بیماری ضرور بالضرور خود بخود دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ بیماری کسی دوسرے کو بذاتِ خود ضرور بالضرور نہیں لگتی اور بیمار سے دور رہ کر احتیاط کرنا عقیدے اور ایمان کی حفاظت ہے اور بالکل صحیح عقیدہ ہے۔

یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ بعض بیماریوں کو متعدی سمجھا جاتا ہے، پھر یہ بیماریاں بعض لوگوں کو لگ جاتی ہیں لیکن اسی گھر میں اس بیمار کے کئی قریبی رشتہ دار اور دوست احباب اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ [باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ]

احسن الحدیث ابو معاذ

وعدے کی پاسداری ضروری ہے

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط﴾ اے ایمان والو! وعدے پورے کرو۔ (المائدہ:۱)

فقہ القرآن:

① آیتِ مذکورہ میں عقود (وعدوں) سے مراد یہ ہے کہ اہلِ ایمان نے کلمۂ طیبہ (لا إلٰه إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه) کا اقرار کر کے اسے پورا کرنا ہے۔ اللہ نے جسے حلال قرار دیا، اُسے حلال سمجھنا اور جسے حرام قرار دیا، اُسے حرام سمجھنا ہے۔ کتاب و سنت پر اجماع اور آثارِ سلف صالحین (اجتہاد) کی روشنی میں ہمہ تن عمل کرنا ہے۔

② مومن کا یہ امتیازی نشان ہے کہ وہ ہر حال میں وعدے کا پکا اور بات کا سچا ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ﴾

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (المؤمنون:۸)

③ منافق وعدہ خلاف اور جھوٹا ہوتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((آية المنافق ثلاث : إذا حدّث كذب و إذا وعد أخلف و إذا ائتمن خان .)) منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری:۳۳، صحیح مسلم:۵۹)

④ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ((لا إيمان لمن لا أمانة له ، ولا دين لمن لا عهد له .)) اس کا ایمان نہیں جس کی امانت نہیں اور اس کا دین نہیں جس کا وعدہ نہیں۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان:۱۹۴، وسندہ حسن لذاتہ وھو صحیح بالشواہد)

⑤ تمام وعدے، معاہدے، نذریں اور قسمیں پوری کرنا ضروری ہیں اِلا یہ کہ نصِ شرعی کے خلاف ہوں اور اگر واضح نصِ شرعی کے خلاف ہوں تو دوسرے دلائل کی رُو سے انھیں پورا نہیں کیا جائے گا۔

تذکرۃ الاعیان

حافظ ندیم ظہیر

مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ

مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جو ہمہ وقت دینِ اسلام کی خدمت اور مسلک قرآن وحدیث کا دفاع کرنے میں مصروف رہے ہیں۔ اس مضمون میں انتہائی اختصار کے ساتھ مولانا موصوف کے حالاتِ زندگی ہدیۂ قارئین ہیں:

نام ونسب: مولانا نذیر احمد رحمانی بن شیخ عبدالشکور بن شیخ جعفر علی

ولادت: ٦/ فروری ١٩٠٦ء بمطابق ١٠ ذوالحجہ ١٣٢٣ھ کو ''املو'' میں پیدا ہوئے، یہ موضع مبارکپور سے ایک میل اور شہر اعظم گڑھ سے ٧ یا ٨ میل کے فاصلے پر ہے۔

تعلیم: مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا اعلان ہوا تو آپ نے اسی سال (١٩٢١ء) میں دہلی جا کر داخلہ لے لیا۔ ابتداء سے انتہا تک تمام علمی مراحل اسی مدرسے میں طے کئے۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں استاذ الاساتذہ مولانا احمد اللہ دہلوی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی) رحمہما اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

تدریس: آپ فراغت کے بعد مستقل طور پر دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے منسلک ہو گئے اور جب تک مدرسہ قائم رہا آپ تدریسی مسند پر فائز رہے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا عبدالغفار حسن، مولانا قاری عبدالخالق (کراچی) اور مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری زیادہ معروف ہیں۔

علمی خدمات: دارالحدیث کے مشہور ماہنامہ ''محدث'' کی ادارت کا فریضہ آپ باحسن انداز نبھاتے رہے اور یہ کام آخر تک آپ ہی کے سپرد رہا۔ نیز آپ نے تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کے میدان میں بھی اپنی علمی حیثیت کا لوہا منوایا۔ مثلاً ''انوار المصابیح بجواب رکعاتِ تراویح'' اور ''اہل حدیث اور سیاست'' آپ کی عظیم الشان کتابیں ہیں۔

علمی مقام: مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جامع الاوصاف شخصیت تھے۔''

وفات: ٢٨ محرم ١٣٨٥ھ (٣٠/ مئی ١٩٦٥ء) بروز اتوار ـــــ اللھم اغفرلہ.